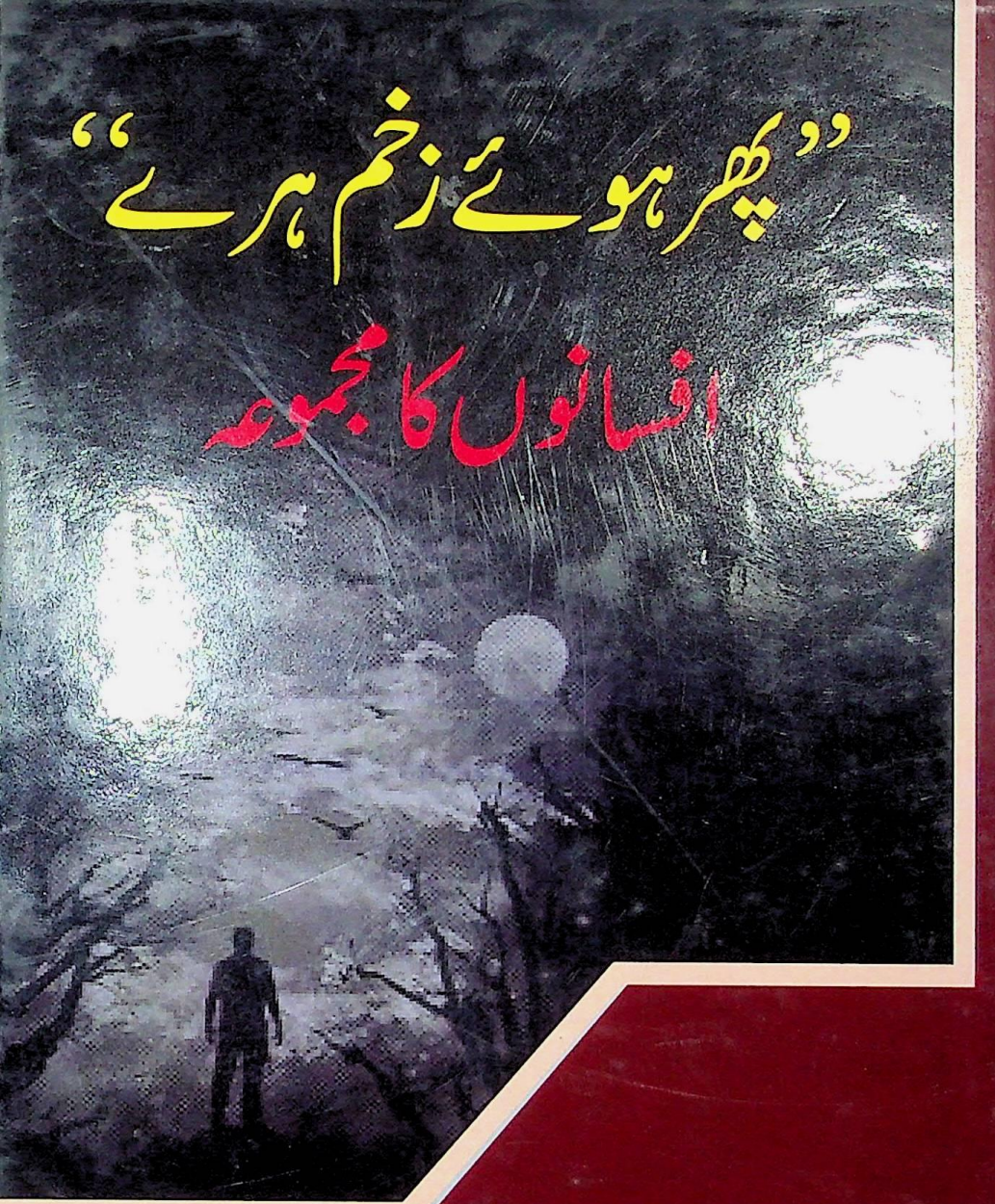

جاوید شبیر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''پھر ہوئے زخم ہرے''

افسانوں کا مجموعہ

میزان پبلشرز

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جملہ حقوق محفوظ

ISBN-973-93-30691-XXX

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

عنوان:۔ پھر ہوئے زخم ہرے (افسانوں کا مجموعہ)

مصنف۔ جاوید شبیر

سال:۔ ۲۰۲۱ء

کمپوزنگ:۔ نذہت خان

قیمت:۔ ۳۵۰ روپیہ

مطبع:۔ میزان سروسز

مطبع:۔ سمیر بخاری

ناشر

میزان پبلشرز

Meezan Publishers

Batamaloo Srinagar 190009 Kashmir

9419002212,7006773403,7006773404

email-meezanbooks2020@gmail.com

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انتساب

اپنے پیارے دونواسوں
دُراب اور دائم کے نام

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اندازِ بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

اقبالؔ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فہرست

☆)	پھر ہوئے زخم ہرے	۷
☆)	کچھ اپنے بارے میں	۱۱
۱)	کھسلی کا کُتا	۱۹
۲)	نیا دل پرانی دھڑکنیں	۲۵
۳)	ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں	۳۷
۴)	بہہ گئے ارمان	۴۴
۵)	مسیحا	۵۱
۶)	اور ڈور کٹ گئی	۵۶
۷)	چولھا	۶۳
۸)	پُکار	۶۸
۹)	معزز شہری	۷۲
۱۰)	کال بیل (Call bell)	۷۷
۱۱)	سُلگتی چنگاریاں	۸۱

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

۱۲)	چیف	۸۶
۱۳)	ڈرائی ڈے (Dry day)	۹۱
۱۴)	فرار	۹۵
۱۵)	دیوانہ	۹۹
۱۶)	پنکی (Pinki)	۱۰۶
۱۷)	بَس سٹاپ	۱۱۴
۱۸)	ہم کیا چاہتے.....؟	۱۱۹
۱۹)	طمانچہ	۱۲۴
۲۰)	پردہ اُٹھ رہا ہے	۱۳۰
۲۱)	بھگوان کی مرضی	۱۳۵
۲۲)	نئی دنیا سُہانے خواب	۱۴۲
۲۳)	پھولوں کے سوداگر	۱۵۰
۲۴)	زخمی	۱۵۶
۲۵)	لُدھیانی	۱۶۲
۲۶)	پھر ہوئے زخم ہرے	۱۶۹
۲۷)	نہیں مرتی ہے ماں	۱۷۹
۲۸)	رُخ بدلے ہواؤں نے	۱۸۷

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پیش لفظ

وحشی سید

ہمارے ہاں جموں وکشمیر میں زمانہ قدیم سے ہی افسانہ نگار صنفِ افسانہ کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ وہ اپنے افسانوں کی وساطت سے رنگ برنگے پھولوں کی محبت بھری خوشبو بکھیرتے بکھیرتے کانٹوں کی چبھن بھی برداشت کرتے آرہے ہیں۔ عوامی احساسات و جذبات اور مختلف مقامی اور غیر مقامی مسائل کی عکاسی ان افسانوں کا ایک اہم حصہ ہیں، یہاں کی معاشی، مالی، ثقافتی، تہذیبی اور تمدنی حالات و واقعات اکثر ان افسانوں کے پس منظر میں نظر آتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے ان کے کردار مقامی اور جانے پہچانے ہوں۔ یہاں کے موسموں کے مختلف رنگ وروپ ان افسانوں کو زینت بخشتے رہتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس صنف میں نئے نئے چہرے نظر آرہے ہیں، اپنی ادبی صلاحیتوں کو نکھار رہے ہیں اور ادبی کینواس میں رنگ بھر رہے ہیں۔

کافی عرصہ سے افسانوی دنیا کا ایک حصہ ہونے کے باوجود میں جاوید شبیر کے نام سے واقف نہ تھا حالانکہ وہ محکمہ انجینئرنگ میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں اور اس تعلق سے اپنی خاصی جان پہچان بھی رکھتے ہیں۔ میں اس بات سے بھی واقف نہ تھا کہ جاوید صاحب میرے عزیز دوست مرحوم بشیر شاہ کے قریبی دوست اور ساتھی رہے ہیں۔ مجھے نگینہ انٹرنیشنل کی وساطت سے ہی ان کو جاننے کا موقع ملا۔ وہ ہماری ادبی محفلوں میں موجود رہتے ہیں اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جب جموں کشمیر فکشن رائٹرز گلڈ کی تشکیل ہوئی تو بحیثیت سرپرست اعلیٰ معلوم ہوا کہ وہ گلڈ کے ایک سرگرم رکن بھی ہیں۔ پھر اُن کی چند ایک کہانیاں نگینہ انٹرنیشنل میں شائع بھی ہوئیں اور اس طرح کشمیر کی افسانوی تختی پر جاوید شبیر کا نام بھی دکھائی دینے لگا۔

''کچھ اپنے بارے میں'' میں جاوید شبیر نے اپنی زندگی کے کتاب کی بہت سارے اوراق دلچسپ اور خوبصورت انداز کے ساتھ ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ یہ اوراق بے حد معلوماتی ہیں۔ اُن کے زندگی کے بے شمار رنگ ان اوراق میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اوراق اس افسانوی مجموعہ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ وہ افسانہ نگار جو نہ جانے کب سے جاوید شبیر کے وجود میں چھپا بیٹھا تھا آخر کار باہر نکل آیا اور اپنے افسانوں کو سجانے لگا۔

''پھر ہوئے زخم ہرے'' جاوید شبیر کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے اور اس میں ۲۸ افسانے شامل ہیں۔

جب اِن افسانوں پر نظر ڈالتے ہیں اور پڑھنا شروع کرتے ہیں تو کانوں میں آہستہ سے کبھی دردِ دل کی سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں اور کبھی بے وفائی کی شکایتیں۔ لیکن اِن افسانوں میں کچھ اور بھی ہے..... یادوں کی تلخیاں اور ہجرتوں کے بھنور.....!!

> ''یہ ایک غریب عورت کا دل ہے جو تیس سال کی عمر میں ایک حادثہ کا شکار ہوئی تھی۔ اس عورت کا نام مارگریٹ تھا اور اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اس نے کسی شخص سے بے حد پیار کیا تھا لیکن اس نے مارگریٹ کو دھوکہ دے کر کسی اور لڑکی سے شادی کر لی۔ مارگریٹ یہ صدمہ برداشت نہ کر پائی اور اس نے اپنے مکان کی بالائی منزل سے کود کر اپنی جان دیدی۔''

نیا دل پرانی دھڑکنیں۔

جاوید شبیر کے کردار محرومیوں کی داستانیں پیش کرتے ہیں۔ ان داستانوں میں زندگی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تڑپتی اور ترستی نظر آتی ہے۔

''عمہ باغباں بولنے لگا کہ جناب اس انعام کا اصلی حقدار محمد سلطان تانترے عرف رنبہ باغبان ہے۔ اس نے اس پودے کو اپنے گھر کے چھوٹے سے باغیچے میں اپنی محنت سے لگایا اور بڑی جانفشانی سے اس کی پرورش کی تھی..... میں نے جب اس عجیب وغریب پودے کو اس کے باغیچے میں دیکھا تو میری نظریں للچا گئیں اور چند سال قبل اس کی بیوی سے پانچ سو روپیہ میں خریدا تھا۔''

پھولوں کے سوداگر

زندگی کے مختلف تجربات کو وہ اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں اور ایسے افسانوں کو پڑھتے ہوئے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں!

''قبرستان پہنچ کر اس نے والدین کی قبروں پہ فاتحہ پڑھی اور جونہی مڑا ٹھٹھک کے رہ گیا کیونکہ اس کے سامنے والی قبر کا دہانہ کھلا ہوا تھا۔ قبر پوری طرح کھلی تھی اور لحد بھی نظر آ رہی تھی مٹی ڈھیروں کی صورت میں جمع تھی۔ آگے جا کے دیکھا تو قبر خالی تھی اور میت غائب؟

نہیں مرتی ہے ماں

جاوید شبیر کے افسانے پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ وہ معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ نفسیاتی مسائل کو بھی اُبھارنے کی کوشش کرتے ہیں عشق و محبت کی جھلکیاں بھی ان کے افسانوں میں بخوبی ملتی ہیں، اس موضوع کے تعلق سے اُن کی دلچسپی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں تو کہوں گا کہ انسانی زندگی کے بہت سارے رنگ ان افسانوں میں پوشیدہ ہیں۔ زبان رواں دواں ہے، سادہ اور سلیس بھی۔ یہ بھی ان افسانوں کی ایک خوبی ہے!

جاوید شبیر کو میری جانب سے مبارک باد!

شکریہ!

وحشی سعید
مدیر اعلیٰ نگینہ انٹرنیشنل (کشمیر)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کچھ اپنے بارے میں

میرے ادبی سفر کی کہانی نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ عجیب وغریب بھی ہے۔ میرا یہ سفر رینگ رینگ اور رُک رُک کے چلا ہے۔ کبھی تو ایسا رُکا کہ لگا شائد دوبارہ چل ہی نہ پائے مگر کچھ دوستوں اور خیر خواہوں کے اصرار پہ پھر چل پڑا۔

ویسے تو اس سفر کا آغاز صحیح وقت پہ ہوا تھا جبکہ میں ابھی سکول کا طالبعلم تھا۔ سکول میں غالباً ساتویں یا آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا جب ہمارے اُردو زبان کے اُستاد مرحوم سید اکبر جے پوری صاحب نے کلاس کے طالبعلموں میں اُردو مضمون پڑھانے کے علاوہ ہم میں ادبی ذوق پیدا کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی تھی چونکہ میں پہلے ہی سے ریڈیو کشمیر سرینگر میں اُردو کے بچوں کے پروگرامز اور دیگر پروگراموں کا ریگولر آرٹسٹ بن چکا تھا جہاں بڑے بڑے آرٹسٹوں اور ادیبوں کی سرپرستی میں پروگرام کیا کرتا تھا اسلئے میرا اُستاد جے پوری صاحب کے اُردو ادب کے تئیں ذوق وشوق سے پوری طرح وابستہ ہوجانا لازمی تھا۔ اکبر جے پوری صاحب ایک اُستاد ہونے کے علاوہ اُردو زبان کے اعلیٰ پایے کے شاعر اور ادیب بھی تھے۔ اُن دنوں اُن کے مفید مشوروں، رہنمائی اور حوصلہ افزائی نے مجھ میں اُردو ادب کی جانب رغبت پیدا کردی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آٹھویں جماعت تک پہنچتے مجھے کم از کم تین چار سو اشعار یاد ہو چکے تھے اور میں نے اُردو میں کچھ کچھ لکھنا بھی شروع کر دیا تھا۔

بعد میں میرے اِس شوق کو ہمارے دوسرے اُستاد مرحوم غلام محی الدین خضر مغربی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صاحب نے تراشا اور سنوارا۔ خضر مغربی صاحب بھی محتاجِ تعارف نہیں کیونکہ وہ ایک معروف مزاحیہ شاعر تھے۔ اُنہوں نے کلاس میں ہر سنیچر وار کو بچوں کے مشاعرے کا اہتمام شروع کیا۔ یعنی ہر سنیچر کو اُردو زبان کے پیریڈ میں بچے اپنا اپنا کلام سناتے تھے۔ اس سے ہمارے ادبی شوق کو مزید تقویت ملی اور کلاس میں اکثر لڑکے شاعر بن بیٹھے۔ بھلا میں پیچھے بیٹھنے والا کہاں تھا اسلئے موسیقی اور گانے کے بل بوتے پہ میں نے بھی طبع آزمائی شروع کر دی۔ گو کلاس میں میں اوسط درجے کا شاعر تو گنا جانے لگا مگر تُک بندی سے آگے نہیں جا پایا کیونکہ میں اور بھی بہت سے مشاغل میں مصروف تھا جیسے ریڈیو پروگرامز، سٹیج ڈرامے، کھیل کود اور جاسوسی و رومانی ناولوں کا مطالعہ۔

ریڈیو سٹیشن تک رسائی بھی ایک اُستاد کے ذریعے ہوئی۔ ایس۔ پی۔ ہائی سکول میں چھٹی جماعت سے آٹھویں جماعت تک موسیقی بھی ایک مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی تھی۔ میں نے بھی چھٹی جماعت میں اس مضمون کو چُنا اور باقاعدہ اس کا طالبعلم بن گیا۔ اُستاد تھے مرحوم شنبھو ناتھ سوپوری جو ریاستِ جموں و کشمیر میں موسیقی کے بانی اساتذہ میں گنے جاتے ہیں۔ مرحوم سوپوری صاحب ہی پہلی بار مجھے ریڈیو کشمیر کے سٹیشن پہ لے گئے اور بطور ایک کلاسیکل گائیک بچے کے متعارف کروایا۔ میں نے کوئی دس گیارہ سال کی عمر میں راگ بلاول گایا جو بے حد پسند کیا گیا۔ چند پروگرامز میں شرکت کے بعد میں بچوں کے اردو پروگرام کا مستقل آرٹسٹ بن گیا۔ میں ایک گائیک ہی نہیں بلکہ ڈرامے اور دیگر پروگرامز میں بھی باقاعدگی سے شرکت کرنے لگ گیا۔ یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ ریڈیو میں جن حضرات کی سرپرستی، رہنمائی اور حوصلہ افزائی سے میں مستفید ہوا اُن میں سے چند ایک کے نام ابھی تک یاد ہیں۔ جیسے علی محمد لون، پران کشور، بشیر بٹ، لیش شرما، کیدار شرما، سومناتھ سادھو، قیصر قلندر وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ دور تھا جب لڑکے اور لڑکیاں فیشن کے طور پہ ناول اور مگیزینز پڑھنا شروع ہو گئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے۔ اس میں اُردو پڑھنے والوں کی تعداد قدرے زیادہ تھی۔ ناول اور کہانیوں کی کتابیں پڑھنے کیلئے کرائے پہ مل جاتی تھیں۔ لڑکوں میں خاص طور سے جاسوسی ناول پڑھنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ ابنِ صفی کی لکھی ہوئی 'جاسوسی دنیا' اور 'عمران سیریز' کے ناول پڑھنا تو ہمارے ہمعصر لڑکوں میں وبائی صورت اختیار کر چکے تھے۔ ہر مہینے نیا ناول بازار میں آجاتا تھا اور ہم اسکا انتظار ایسے کرتے تھے جیسے کوئی نئی فلم ریلیز ہونے والی ہو۔ میں بھلا اس آفت سے کیسے بچ پاتا اسلئے میں نے بھی بھرپور انداز میں ابنِ صفی کو پڑھنا شروع کر دیا۔

سکول سے فارغ ہوتے ہی جاسوسی ناولوں کے علاوہ اُردو میں لکھا جانے والا دیگر مواد بھی پڑھنا شروع کر دیا جیسے کہانیاں، افسانے، ناول، فلمی مواد وغیرہ اور یہ شوق بھی جنون کی حد تک بڑھ گیا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے بہت اچھے اور مستند ادیبوں کی لکھی ہوئی کتابیں اور کہانیاں پڑھنے کا بھرپور موقع ملا جیسے منشی پریم چند، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، اے حمید، ایم اسلم، رئیس احمد جعفری، نسیم حجازی وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ شمع اور بیسویں صدی میگزینز میں چھپنے والے افسانے اور کہانیاں پڑھنا بھی معمول بن چکا تھا۔

اب جبکہ میں اُردو زبان میں لکھے گئے ادب کے مطالعے میں مصروف تھا، باقی وقت کھیل کود اور دیگر مشاغل کی نذر ہو رہا تھا اس لئے میں لکھنے سے دور ہوتا گیا۔

سرکاری نوکری اختیار کرنے کے بعد میں پوری طرح نوکری میں جُٹ گیا۔ یہاں مجھے جو بھی فالتو وقت ملا وہ میں نے اُردو اور انگریزی کی کتابیں پڑھنے میں گذارا۔ بھلا ایسے میں لکھنے کی فرصت کہاں سے ملتی؟ میں عام روِش سے ہٹ کے نوکری سے ناانصافی نہیں کر پایا۔ اسلئے میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ جو بھی وقت ملتا ہے اُسے مطالعے میں صرف کیا جائے۔ اسلئے کھیل کود اور دوسرے مشاغل کے علاوہ کچھ کچھ انگریزی ادب کا بھی مطالعہ کرنے لگا۔ میں نے سروس کے ابتدائی ایام میں ہی 'پرل ایس بک' 'تھامس ہارڈے، شیکسپیئر، ارنسٹ ہمینگوے، چارلز ڈِکنز، برٹرینڈ رسل، خلیل جبران، جین پال سارتر وغیرہ کو پڑھا۔ جس کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وجہ سے میرا رجحان صرف پڑھائی اور مطالعہ کی جانب ہو گیا اور میں لکھنے کے شوق سے دُور ہوتا گیا۔

پھر بھی میں نے کچھ کہانیاں، غزلیں اور نظمیں ایک نوٹ بک میں لکھی ہوئی تھیں لیکن جب میں انجینئرنگ کالج ہوسٹل میں چلا گیا تو گھر آ کے مجھے وہ کاپی نہیں ملی۔ شاید گھر والوں نے کسی ردّی کاغذ والے کو دیدی ہو۔ وہ آج تک دوبارہ نہیں ملی اور بدقسمتی سے میری یاد داشت نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا اور میں اُس ریکارڈ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کھو گیا۔

خیر تو میرے لکھنے کی کوششیں ناتجربہ کاری کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ کبھی کبھار ایک آدھ کہانی لکھ دیتا تھا جو میرے پاس جنم لے کے میرے ہی پاس دفن ہو جاتی تھی۔ اب میرے دوسرے مشاغل بھی دھیرے دھیرے دم توڑنے لگے تھے کیونکہ میں پوری طرح نوکری میں اُلجھ کے رہ گیا تھا۔

میں کبھی یہ سوچ کے حیران ہو جاتا تھا کہ کچھ لوگ ادب یا فنونِ لطیفہ سے غیر وابستہ اداروں یا نوکری یا تجارت میں ہونے کے باوجود بھی افسانہ نگار ہیں، شاعر ہیں یا مصور ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بھلا وہ یہ سب کیسے کر پاتے ہیں؟ بہت ممکن ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک سے یعنی پیشے یا مشغلے سے ناانصافی ہو جائے۔ خیر میں اس بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا۔ ہوسکتا ہے یہ محض میری ہی کمزوری رہی ہو کیونکہ ہماری تنظیم، فکشن رائیٹرس گلڈ' کے سابق صدر نہ صرف ایک کامیاب معالج ہیں بلکہ اعلیٰ پایے کے افسانہ نگار اور ادیب بھی ہیں۔

اب میں ادب سے دور ہو چکا تھا اور سروس میں کھو چکا تھا۔ میں نے نوکری میں کوئی کارنامے تو انجام نہیں دیئے البتہ جو بھی کام کیا وہ پوری تندہی، ایمانداری اور صدق دلی سے انجام دیا۔ میں اس معاملے میں خود مطمئن ہوں۔

مجھے ہمیشہ یہ احساس رہا ہے کہ کچھ لکھنے کیلئے آپکا ذہن آزاد ہونا چاہیئے تب کہیں جا کے آپ سوچ سکتے ہیں، کوئی خاکہ بنا سکتے ہیں تاکہ موزوں الفاظ اور انداز میں اُس خیال یا خاکے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کو لفظی جامہ پہنایا جاسکے۔ جب ذہن آزاد ہو تب کوئی پلاٹ کہانی کی شکل اختیار کر پاتا ہے۔ میں ذہنی طور ادیب بننے کیلئے تیار نہیں تھا کیونکہ ایک وجہ تھی ذہن کے آزاد ہونے کا فقدان دوسرا یہ خدشہ بھی تھا کہ بھلا صحیح لکھ بھی پاؤں گا کہ نہیں اور تیسرا یہ کہ قارئین میرے لکھے کو پسند کریں گے کہ نہیں۔ میرے خدشات مجھے ہر بار یہی احساس دلاتے رہے کہ کافی سالوں سے اس کھیل سے دور رہ کے اب میں کھلاڑی نہیں بن سکتا اور اگر کھیل میں حصہ لیا بھی تو شاید لوگ پسند نہیں کریں گے اس لئے بہتر ہے کہ حسبِ دستور تماشائی بنا رہوں۔

مگر شاید قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہوا یوں کہ مشہور و معروف افسانہ نگار جناب نور شاہ صاحب اب دُرجن سے نکل کر میری ہمسائیگی راولپورہ میں آکے رہنے لگے۔ نور شاہ صاحب اور اُن کے گھرانے سے میرے بہت پُرانے اور گہرے مراسم تھے کیونکہ اُن کے چھوٹے بھائی مرحوم بشیر شاہ صاحب نہ صرف میرے ہم جماعت تھے بلکہ بچپن کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ نور شاہ صاحب نے مجھے ہمیشہ چھوٹے بھائی کی طرح سمجھا اور پیار دیا۔ چونکہ وہ میرے بچپن کے مشاغل اور شوق سے واقف تھے اسلئے ایک ملاقات میں اُنہوں نے مجھے مرحوم علی محمد لون صاحب کی برسی پر ایک معروف اخبار میں لکھنے کو کہا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مرحوم لون صاحب کو قریب سے جانتا تھا۔

میں نے کوشش کر کے لون صاحب کے تئیں عقیدت نامہ لکھا اور چھپنے کیلئے بھیج دیا۔ یہ خراجِ عقیدت کافی پسند کیا گیا تو مجھے احساس ہوا کہ قلم میں ابھی کچھ رمق باقی ہے۔ اس طرح نور شاہ صاحب نے میرے اندر سوئے ہوئے ادیب کو جگا دیا۔ اب اُنہوں نے اصرار کیا کہ میں کہانی بھی لکھوں کیونکہ میں نے اُنہیں بتایا تھا کہ میں کبھی کہانیاں بھی لکھ لیتا تھا۔ بس پھر کیا تھا نور شاہ صاحب کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی نے مجھے جگا دیا۔

اس کوشش میں 'روز نامہ کشمیر عظمیٰ' کے ایڈیٹر جناب جاوید آذر صاحب کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی بھی قابلِ ستائش ہے۔ آذر صاحب نے مجھے نہ جانتے ہوئے بھی میری کہانیوں کو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

معیاری سمجھتے ہوئے اپنے اخبار کے ادب نامے میں جگہ دیدی۔ ویسے بھی میں جاوید آذر صاحب کو پسند کرنے لگا تھا کیونکہ اُنہوں نے قلیل مدت میں نہ صرف 'روز نامہ کشمیر عظمیٰ' کو اُردو پڑھنے والوں میں مقبول عام بنا دیا ہے بلکہ اس اخبار کے 'ادب نامے' کو بلندیوں پہ پہنچا دیا ہے۔ اُنہوں نے اُردو زبان میں نئے لکھنے والوں کی ہمیشہ رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ہے اور برابر کرتے آرہے ہیں۔

اسی دوران مشہور براڈ کاسٹر، ادیب، ریڈیو اور ٹی۔ وی آرٹسٹ محمد امین بٹ صاحب جو میرے پرانے واقف کار اور عزیز دوست ہیں نے جب میرے کچھ افسانے روز نامہ کشمیر عظمیٰ میں پڑھے تو اُنہوں نے مشورہ دیا کہ میں جموں و کشمیر فکشن رائیٹرز گلڈ، کا ممبر بنوں۔ چنانچہ میں اس گلڈ کا ممبر بن گیا اور پچھلے کئی سالوں سے اس تنظیم سے وابستہ ہوں۔ گلڈ میں میری ملاقات نہ صرف اُبھرتے ادیبوں اور افسانہ نگاروں سے ہوئی بلکہ بہت سے کشمیری اور اُردو زبان کی کہنہ مشق اور مشہور افسانہ نگاروں سے بھی ہوئی۔ ان عظیم اور کہنہ مشق ادیبوں کی صحبت میں مجھے پھر سے لکھنے کی تحریک ملی۔ مزید گلڈ کی وساطت سے میری رسائی 'نگینہ انٹرنیشنل میگزین کے اراکین سے ہوئی جن میں جناب نور شاہ اور کچھ ادیبوں کے علاوہ چیف ایڈیٹر وحشی سعید صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے وحشی سعید صاحب فکشن رائیٹرز گلڈ کے بھی سرپرست ہیں۔ وحشی سعید صاحب ایک کامیاب تاجر ہونے کے علاوہ معروف افسانہ نگار ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اُردو ادبی دنیا میں اُنکا نام ہے۔ کشمیر میں اُردو زبان کو قائم رکھنے کے تئیں اُن کی کوششوں کا اعتراف ہر کسی کو ہے۔ اُن کا رسالہ 'نگینہ انٹرنیشنل' اُردو زبان کا بین الاقوامی میگزین بن چکا ہے۔ مجھے بھی کئی بار اس میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے۔

میں اب پچھلے کئی سالوں سے افسانے اور انشائیے وغیرہ لکھ رہا ہوں اور اب تک تیس چالیس افسانے اور انشائیے لکھ چکا ہوں اور ابھی سفر جاری ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کوئی سال بھر سے میرے محسنوں، چاہنے والوں، خیر خواہوں اور مداحوں نے اصرار کرنا شروع کر دیا ہے کہ میں ان لکھے گئے افسانوں کو کتابی شکل دوں تا کہ ایک تو یہ کہانیاں محفوظ ہو جائیں دوسرے اور لوگوں کو بھی انہیں پڑھنے کا موقع ملے۔ میں نے بھی سوچا کہ یہ مشورہ معقول ہے اسلئے اس جانب قدم اُٹھانا ضروری ہے۔

اب میں نے فی الحال اٹھائیس افسانے جمع کر لئے ہیں جو اس کتاب 'پھر ہوئے زخم ہرے' میں شامل ہیں۔ چونکہ یہ کہانیاں مختصر افسانوں کے زمرے میں آتی ہیں اسلئے اتنی تعداد میں ہونے کے باوجود بھی یہ ضخیم کتاب نہیں بنی۔ دراصل میں کہانی لکھتے وقت اکثر یہ بات ضرور ذہن میں رکھتا ہوں کہ آج کے اس ٹیکنالوجی کے دور میں لوگوں کے پاس طویل کہانیاں پڑھنے کیلئے وقت نہیں اسلئے جتنا ممکن ہو سکے میں افسانہ مختصر الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ 'پھر ہوئے زخم ہرے' عام طور پہ سچی کہانیوں پر مبنی مجموعہ ہے جنہیں میں نے افسانوی رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ ویسے بھی کہنے کو تو افسانہ فرضی کہانی کا نام ہے لیکن سچ پوچھئے تو ہر افسانے کے پیچھے کوئی نہ کوئی سچا واقعہ ہوتا ہے۔ میرے ان افسانوں کے پیچھے بھی کہیں نہ کہیں کچھ سچ چھپا ہوا ہے۔ کچھ کہانیاں اپنی وادی کے پُر آشوب حالات کے گرد گھومتی ہیں جن سے میرا قلم بچ نہ سکا۔

میں نے اس افسانوی مجموعے کا نام 'پھر ہوئے زخم ہرے' منتخب کیا ہے جو ایک افسانے کے عنوان سے اخذ کیا ہے۔ حالانکہ میں اس افسانے کو حاصلِ کتاب نہیں سمجھتا تاہم حالات کے پیشِ نظر مجھے یہ نام موزوں لگا۔

میں اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

میں ایک بار پھر اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میرا افسانہ نگاری کے میدان میں قدم رکھنا اور پھر اب افسانوں کو کتابی شکل دینا تب ہی ممکن ہو پایا جب مجھے نور شاہ صاحب جیسا رہبر ملا۔ اُن کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے باعث یہ ممکن ہو پایا کہ آج میں اپنے لکھے ہوئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

افسانوں کو ایک مجموعے کی شکل میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

میں ادارہ میزان پبلشرز اور بالخصوص جناب شبیر صاحب کا مشکور ہوں جنہوں نے کتاب کی اشاعت میں قدم قدم پہ میری مدد کی۔

میں کمپوزر محترمہ نذہت خان کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے بڑی جانفشانی سے کتاب کے اس مُسودے کو کمپوز کیا۔

آخر میں میں اُن تمام اصحاب کا مشکور ہوں جنہوں نے 'پھر ہوئے زخم ہرے' کی اشاعت میں میری نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ رہنمائی بھی کی۔

جاوید شبیر

سرینگر

ستمبر ۲۰۲۱ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کھلسی کا کُتا

وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ زبان باہر نکل آئی تھی اور منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ میں نے کئی بار اُس کے بلا مقصد اور بے وجہ دوڑنے کے بارے میں سوچنا چاہا لیکن ہر بار ذہن نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا شاید اس لئے کہ وہ ہماری طرح انسان نہیں اور ہم انسان کبھی کسی دوسرے جاندار کے بارے میں خوامخواہ سوچنے یا جاننے کے عادی نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ غم، خوشی، پریشانی، لگاؤ، جذبات احساسات وغیرہ صرف ہمارا ورثہ ہیں۔ ہمارا، ہم دماغ والوں کا، عقل والوں کا۔ دراصل اس میں ہمارا بھی قصور نہیں کیونکہ ہم نے آجتک کسی جاندار کو اُداس، روتے یا ہنستے نہیں دیکھا یا پھر سوچتے نہیں دیکھا۔ کیا یہ سب چرند و پرند روتے نہ ہونگے؟ ہنستے نہ ہونگے؟ سوچتے نہ ہونگے؟..... ضرور روتے ہونگے، ہنستے ہونگے اور شاید سوچتے بھی ہونگے لیکن ہم نے کبھی یہ جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے۔

دراصل یہ ذکر کھلسی کے اُس کُتے کا ہے جو اکثر چھوٹی گاڑیوں کا پیچھا کرتا تھا۔ جونہی کسی چھوٹی گاڑی کا گذر اُس کے سامنے سے ہوتا تو وہ اُس کے پیچھے بے تحاشہ دوڑنا شروع کر دیتا تھا اور گاڑی کے قریب پہنچ کے عجیب سی رونی صورت بنائے مایوس واپس لوٹ جاتا تھا۔

کچھ سال پہلے چھوٹی گاڑیوں میں کرگل سے لہہ جانے والوں نے کھلسی کے مقام پر فوجی بارکوں کے سامنے اُس کالے رنگ کے کُتے کو ضرور دیکھا ہوگا۔ کیونکہ وہ اُن کی گاڑی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے پیچھے بھی ضرور دوڑا ہوگا۔ دراصل ہر چھوٹی گاڑی کے پیچھے دوڑنا اُس کالے کُتے کی عادت ہے اور مایوس واپس لوٹ جانا اُس کی قسمت۔

اب اُس کے دوڑنے میں وہ پہلے سی پھرتی اور تیزی نہیں رہی۔ لگتا ہے پھرتی کم ہونے کے ساتھ ساتھ مایوسی بڑھتی جارہی ہے۔ اب تو کئی بار آدھے راستے ہی سے مزید دوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیتا ہے۔ اُس کی اس دوڑ کا مقصد کچھ بھی ہو لیکن چند سال پہلے اور آج میں نمایاں فرق ہے۔ دراصل اب اُس کی ڈھلتی عمر بھی شاید اب اُس کا پورا ساتھ نہیں دے رہی۔ کون جانے چند سال بعد اُس کا دوڑنا ایک کہانی بن کے رہ جائے۔

اکثر لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ کچھ کُتے گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کا پیچھا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ کُتے پرندوں تک کے پیچھے بھی لپکتے ہیں۔ اُن کی اس دوڑ یا پیچھا کرنے کا بظاہر کوئی مقصد نہیں دکھتا اور اگر ہے بھی تو شاید اتنا کہ وہ اپنے علاقے یا دائرۂ اختیار میں کوئی مداخلت برداشت نہیں کرتے یا پھر علاقے والوں پہ اپنی بہادری کی دھاک جمانا چاہتے ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب پہلی بار میں نے بھی لہہ جاتے کھلسی سے گذرتے ہوئے اس کالے کتے کو اپنی جیپ کے پیچھے بے تحاشہ دوڑتے ہوئے دیکھا تھا تو گاڑیوں کے پیچھے دوڑنے والے کتوں کا عمل سمجھ کے بھلا دیا۔ مگر دوسری مرتبہ میں نے دیکھا کہ یہ حضرت بڑی گاڑی یا موٹر سائیکل کے پیچھے دوڑنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں تو مجھے تعجب ہوا لیکن چونکہ یہ معاملہ کسی کُتے کا تھا انسان کا نہیں اس لئے بھول گیا۔

پچھلے سال جب میں کرگل سے لہہ جاتے ہوئے کھلسی کے مقام پہ بازار سے کوئی دو کلومیٹر آگے فوجی بارکوں کے سامنے سے گذرا تو دُور سے کُتے میاں کی نظر میری گاڑی پر پڑی اور وہ حسبِ عادت وحسبِ دستور بارکوں کے پیچھے سے نکل کر میری گاڑی کی سمت بے تحاشہ دوڑنے لگا لیکن وہ ابھی چند گز کے فاصلے پر ہی تھا کہ میری گاڑی کا پچھلا ٹائیر پنکچر ہوگیا۔ مرتا کیا نہ کرتا مجھے گاڑی رکوانی پڑی۔ جونہی گاڑی رُکی کُتے نے مزید پیچھا کرنا ملتوی کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رُکا، غور سے ہماری طرف دیکھا اور واپس بارکوں کی طرف چلا گیا۔ ہم لوگ یعنی میں اور میرا ڈرائیور گاڑی سے نیچے اُترے، ٹائیر کا معائینہ کیا اور ٹائیر بدلنے کی تیاری کرنے لگے۔

ڈرائیور نے جیک چڑھانا شروع کیا اور میں وہیں سڑک پر کھڑا اُس کُتے کے بارے میں سوچنے لگا جو واپس جاتے ہوئے مُڑ مُڑ کے ہماری جانب دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو'' صاحب میں آپ لوگوں کی گاڑی کے پیچھے دوڑا تو ضرور تھا لیکن ٹائیر پنکچر کرنے میں میرا ہاتھ نہیں''، میں سوچ رہا تھا کہ کاش اس کی بھی ہماری طرح زبان ہوتی تو میں اُس سے پوچھتا کہ تم چھوٹی گاڑیوں کے پیچھے دوڑ دوڑ کر خوامخواہ اپنے آپ کو ہلکان کیوں کرتے ہو؟ جاؤ اپنے دوسرے ساتھیوں کیطرح چُپ چاپ اپنے مالکوں کی رکھوالی کرو۔ تمہارے دوسرے ساتھی کتوں کو بھلا یہ پریشانی کیوں نہیں؟ دن میں نہ جانے کتنی چھوٹی گاڑیاں یہاں سے گذرتی ہونگی۔ کب تک یونہی دوڑتے رہو گے؟ اور شاید یہ بھی پوچھتا کہ بھلا کس کی تلاش ہے تمہیں؟ میرے سوالات میرا مذاق اُڑا رہے تھے کیونکہ کُتا بارکوں کے پیچھے آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا کہ کیا پاگل پن ہے کہ جیسے سوائے اس کتے کے اب سوچنے کو کچھ رکھا ہی نہ ہو۔ میں نے فوراً اس فضول سے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

''جب تک ڈرائیور گاڑی کا ٹائر بدل دے آپ ہمارے ساتھ وہاں کمرے میں بیٹھ سکتے ہیں''۔ میرے سامنے ایک فوجی آفیسر مجھ سے مُخاطب تھا۔ ''مجھے میجر بھاوے کہتے ہیں۔ میں یہاں کا کمانڈنٹ ہوں''۔ مے آئی نو یور نیم پلیز (May I know your name please) میجر بھاوے نے مجھ سے پوچھا۔ ''میرا نام سُدھیر ہے۔ انجینئر ہوں اور لہہ میں تعینات ہوں آپ کا بہت بہت شُکریہ''۔ میں نے جوابدیا۔ ''اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ ابھی ٹائر بدلنے میں پندرہ بیس منٹ تو لگ ہی جائیں گے تب تک.....''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میجر بھاوے کا برتاؤ دیکھ کر میں انکار نہیں کر سکا اور اُس کے ساتھ اُس کی بیرک کی طرف چل دیا۔ ڈرائیور سے کہہ دیا کہ میں میجر صاحب کے ساتھ ہوں تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔ بیرک میں پہنچتے ہی میجر بھاوے نے آرڈرلی سے چائے لانے کو کہا۔ ہم اُس کے ڈرائینگ رُوم میں بیٹھ گئے اور چائے آتے ہی ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ میں نے ابھی چائے کے چند گھونٹ ہی پیئے تھے کہ اچانک سامنے دروازے کے باہر وہی کالا کُتا نظر آیا اور مجھے دفعتاً خیال آیا کہ کیوں نہ میجر صاحب سے اس کے بارے میں پوچھا جائے۔

میرے پوچھنے پر میجر بھاوے حیران ہو گیا کہ بھلا مجھے اس کُتے میں کیا دلچسپی نظر آئی کیوں کہ بقول اُس کے میں پہلا شخص تھا جس نے اس کُتے کے بارے میں جاننے کی کوشش کی ہے۔ پچھلے دو سال میں کبھی کسی نے اس کُتے کے بارے میں نہیں پوچھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ یہ کُتا دوسرے کُتوں سے قطعی مختلف ہے۔

میجر نے بتایا کہ جب دو سال پہلے وہ یہاں آیا تھا تو اُس وقت ٹائیگر صرف چار سال کا تھا۔ اُس کا باپ یو۔ پی کا تھا اور ماں نزدیکی گاؤں ہنو کی تھی۔ اس کی پیدائش کے چند دنوں بعد اس کا باپ چل بسا اور یہ اپنی ماں اور بڑے بھائی کے ساتھ مجھ سے پہلے کمانڈنٹ میجر واسن کے پاس رہا۔ جب میجر واسن کی جگہ میں یہاں تعینات ہوا تو ٹائیگر کو میں نے یہیں اپنے پاس رکھ لیا البتہ میجر واسن اس کی ماں اور بھائی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم نے ٹائیگر کو رسی سے باندھ کے کمرے میں بند کر دیا لیکن جونہی میجر واسن جیپ میں سوار ہو کے اسکی ماں اور بھائی کو لے گئے تو یہ رسی کاٹ کے اُن کی گاڑی کے پیچھے دوڑ پڑا۔ بہت سے فوجی ٹائیگر کے پیچھے دوڑائے گئے جو کئی ایک کلومیٹر دوڑنے کے بعد ٹائیگر کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے اور اسے واپس لے آئے۔ احتیاطاً ہم نے اسے ایک مضبوط زنجیر سے باندھ دیا مگر اس کمبخت نے بھوک ہڑتال کر دی۔ مجبوراً تین دن بعد ہمیں اسے کُھلا چھوڑ دینا پڑا لیکن ٹائیگر تھا کہ روٹی کو منہ نہ لگائے۔ البتہ ہر آنے جانے والی چھوٹی گاڑی کے پیچھے دوڑنے لگا شاید اس اُمید

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے کہ کہیں اُس کی ماں اور بھائی مل جائیں۔

کئی دن کھانا نہ کھانے کی وجہ سے اب اُس کی صحت بھی بگڑتی جارہی تھی اور پھر ہر چھوٹی گاڑی کا پیچھا کرنا۔ لیکن کوئی کب تک پیٹ کی آگ سے مقابلہ کرسکتا ہے۔ آخر کار پورے پانچ دن بعد ٹائیگر نے کھانا کھایا لیکن اپنے کھوئے ہوئے ساتھیوں کی تلاش اُس نے مکمل جاری رکھی جو وقت کے ساتھ ساتھ اب اُس کی عادت بن چکی ہے۔ میجر بھاوے نے بتایا کہ چونکہ میجر واسن اُن دو کتوں کو چھوٹی گاڑی میں لے گئے تھے اسلئے ٹائیگر ہمیشہ چھوٹی گاڑی کا ہی پیچھا کرتا ہے۔ اُسے شاید اب بھی اُمید ہے کہ کسی چھوٹی گاڑی میں سے اُس کے کھوئے ہوئے ساتھی مل جائیں گے۔ میجر بھاوے نے مزید بتایا کہ ٹائیگر کا دل بہلانے کیلئے میں ایک کُتیا بھی لایا تھا لیکن اس کمبخت نے اُس مار بھگایا۔

میجر بھاوے کا کہنا تھا کہ زندگی میں پہلی بار اُس نے اِس قسم کا کُتا دیکھا ہے ورنہ اتنا پالنے پوسنے کے بعد ٹائیگر کو ابتک سب کچھ بھول جانا چاہئے تھا۔ اس کی بھاگ دوڑ کی عادت بھلانے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ مختلف اقسام کے کُتے لائے تا کہ یہ اُن کے ساتھ مل کے، کھیل کے سب کچھ بھول جائے لیکن یہ کمبخت اپنی عادت سے باز نہیں آیا۔ دوسرے کُتے آپس میں گھل مل گئے مگر یہ ٹائیگر ہمیشہ اُن سے الگ تھلگ رہا اور آج بھی اکیلا ہے۔

ٹائیگر سامنے دروازے پہ بیٹھا اپنی کہانی سُن رہا تھا۔ جیسے مجھ سے کہہ رہا ہو کہ آپ بھی اس چھوٹی گاڑی یا جیپ میں مت گھوما کرو، بڑی، بے رحم ہے، سنگدل ہے، سب کچھ چھین لیتی ہے۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سی یاسیت تھی، دُکھ تھا اور اپنے کھوئے ہوئے ساتھیوں کے بارے میں سوال تھے۔ لگتا تھا کہ ٹائیگر کو یقین تھا کہ ایک نا ایک دن اُسے اپنی ماں اور بھائی ضرور ملیں گے۔

اُسی لمحے میرے ڈرائیور نے اطلاع دی کہ گاڑی تیار ہے اور میں میجر بھاوے سے اجازت لیکر شکریہ ادا کرتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب چلدیا۔ جونہی ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ابھی تھوڑی دُور ہی گئے تھے تو میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ ٹائیگر ہماری گاڑی کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نیا دل پرانی دھڑکنیں

گریس کی ماں کی حالت دن بدن بگڑتی ہی جارہی تھی۔ ہسپتال کے ICU میں آج اُس کا آٹھواں دن تھا۔ گو سانس چل رہی تھی لیکن وہ برابر بے ہوش پڑی تھی۔ اُس کے بستر کے بغل میں Cardiograph کے سکرین پر ایک سبز چمکتا نقطہ بائیں سے دائیں اُچھل کود کرتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ بقول ڈاکٹر ولیم کے دل کی دھڑکنوں میں ابھی ٹھہراؤ نہیں آرہا تھا اور دل کی حالت اسقدر خراب تھی کہ اس کا ٹھیک ہونا مشکل ہوتا جارہا ہے اُسکے کہنے کے مطابق اگر چند ایک دنوں میں سُدھار نہ آیا تو دل کا بدلنا لازمی ہوجائیگا۔

گریس (Grace) کی ماں لنڈا (Linda) اُٹھاون برس کی ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ ٹھیک دس دن پہلے جب وہ اپنے گھر میں بیٹھی TV پر کوئی بھیانک انگریزی فلم دیکھ رہی تھی تو اچانک اُسے سینے میں درد محسوس ہوا اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک چیخ مار کر صوفے پر ڈھیر ہوگئی۔ خوش قسمتی سے گریس اپنی سٹڈی میں بیٹھا دفتر کا کام کر رہا تھا اور وہ ماں کی چیخ سنتے ہی فوراً لاونج میں آیا اور ماں کو صوفے پہ بے ہوش پایا۔ لنڈا پسینے میں شرابور تھی۔ اُس نے ماں کو فوراً گود میں اُٹھایا اور گاڑی میں لٹا کے ہسپتال پہنچا دیا۔ وہاں ڈاکٹر ولیم جو دل کے عارضے کے ماہر سمجھے جاتے تھے نے لنڈا کی حالت کو تشویشناک قرار دیتے ہوئے اُسے فوراً ICU میں داخل کروادیا۔ اب گریس پچھلے ایک ہفتے سے روز ہسپتال آتا اور گھنٹوں ماں کو شیشے کی کھڑکی میں سے دیکھتا رہتا۔ قریب جانا مشکل تھا کیونکہ سخت احتیاطی تدابیر کے باعث ICU میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مریض کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔

آج بھی جب حسبِ معمول وہ اپنی ماں کو شیشے کی بڑی کھڑکی کے بیچ سے دیکھ رہا تھا تو اچانک اُس کا ذہن بیس سال پیچھے دوڑ گیا جب وہ صرف چار برس کا تھا۔ اُسے یاد آرہا تھا کہ کس طرح اُسکا باپ ہینری ایک سڑک حادثے کا شکار ہو کے اُس کی ماں، بہن لوسی اور اُسے چھوڑ کے اس دنیا سے چلا گیا تھا۔ وہ کمسن ہونے کے باوجود روتی ماں کو دیکھ دیکھ بہت رویا تھا۔ لوسی اور ماں نے اُس روز گریس کو بہت پیار کیا تھا۔ لُوسی عمر میں گریس سے دس سال بڑی تھی اسلئے ماں کی غیر موجودگی میں وہ گریس کو ماں کی طرح پالتی اور پیار کرتی تھی۔

لوسی نے دس برس پہلے ایک کوہ پیما الفرڈ سے شادی کر لی تھی چونکہ وہ خود بھی کوہ پیمائی کی شوقین تھی۔ دونوں میاں بیوی کوہ پیمائی کے سلسلے میں اکثر گھر سے باہر رہا کرتے تھے لوسی اور الفرڈ نے انگلستان کے شمال لنکا شائیر میں سکیلمر سڈیل (Skelmersdale) کالونی میں گھر خرید لیا تھا اور ماں کا گھر بھی لنکا شائیر میں اومزکرک (Omskirk) میں تھا جو لوسی کے گھر سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ گو دونوں گھرانے قریب تھے مگر الفرڈ اور لوسی سال کے چار پانچ مہینے اکثر کسی نہ کسی کوہ پیمائی کی مُہم کے سلسلے میں گھر سے باہر رہتے تھے۔

لوسی کی شادی کے بعد سے آج تک اُس کی ماں گریس کو ایک چھوٹے بچے کی طرح پال رہی تھی۔ مغربی رسم ورواج اور جوان ہونے کے باوجود لنڈا نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور اُس نے اپنے آپ کو بچوں کی نشوونما اور پڑھائی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ گریس چوبیس برس کا ہونے کے باوجود شادی کرنے سے کترا رہا تھا کیونکہ اُسے لگتا تھا کہ شادی کر کے وہ ماں سے دُور ہو جائیگا۔ حالانکہ اب تک وہ متعدد لڑکیوں سے دوستی باندھ چکا تھا مگر شادی کے معاملے میں ماں آڑے آجاتی تھی۔ لیکن جین کے بارے میں وہ سنجیدہ تھا اور ماں لنڈا نے بھی کئی مرتبہ گریس سے کہا تھا کہ وہ جین کو بیاہ کے گھر لے آئے مگر وہ اس بات کو برابر ٹال رہا تھا کیونکہ اُسے احساس تھا کہ لنڈا نے اُس کی خاطر تمام حالات اور وسائیل کے باوجود

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنی جوانی کو قربان کیا تھا۔ اُسے پورا احساس تھا کہ اُس کی ماں کی قربانی مغربی تہذیب میں ایک مثال تھی اور وہ اسی لئے ماں سے بے حد پیار کرتا تھا۔ شائد یہی وجہ تھی کہ اب ماں کی جان لیوا بیماری اُس کے لئے ایک ناقابلِ برداشت صدمہ تھی کیونکہ چند دن پہلے اُس نے ماں سے وعدہ کر لیا تھا کہ وعنقریب جین کو اُسکی بہو بنا کے گھر لے آئے گا۔ یہ وعدہ جین کے ساتھ باقاعدہ ایک طویل ملاقات اور سمجھوتے کے بعد کیا گیا تھا۔ اُس نے جین سے کھلے الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ شادی کے بعد ماں اُن کے ساتھ رہے گی اور جین نے بھی اس فیصلے سے اتفاق کیا تھا۔

لیکن ماں کی بیماری گریس (Grace) کے لئے ایک ناقابلِ برداشت صدمہ تھا اور اس نے اُسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا۔ وہ اب ماں کی صحتیابی کے سوا کوئی اور بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ خیالوں ہی خیالوں میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا کہ اچانک جین (Jane) کی آواز نے اُسے چونکا دیا جو شائد کافی دیر سے گریس کے قریب بینچ پہ بیٹھی تھی۔ جین کو پورا احساس تھا کہ گریس ماں کیوجہ سے پریشان ہے اور اُسے اس وقت ہمدردی اور سہارے کی ضرورت ہے۔ اُس نے گریس سے کہا کہ ہمیں وقت ضائع کرنے کی بجائے ڈاکٹر ولیم (William) سے مشورہ کر کے بہتر اور موزوں علاج کے بارے میں پوچھنا چاہئے۔ گریس نے جین کی بات سے اتفاق کیا اور دونوں ڈاکٹر ولیم سے مشورہ کرنے چل دیئے۔

دونوں جونہی ڈاکٹر ولیم کے کمرے میں پہنچے تو وہ پہلے ہی سے اُن کے انتظار میں تھا کیونکہ جین نے پہلے ہی سے ڈاکٹر کے ساتھ appoitment طے کر رکھی تھی۔ ڈاکٹر نے دونوں کو بیٹھ جانے کو کہا اور بڑے سنجیدہ انداز میں بولنا شروع کیا۔

''مسٹر گریس مجھے تمہاری پریشانی کا پورا پورا احساس ہے۔ گو تمہاری ماں کی حالت بدستور تشویشناک ہے لیکن مریض کی اپنی جرأت، تمہاری ہمت اور ہمارے علاج میں اگر یہی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جذبہ رہا تو مجھے یقین ہے کہ لنڈا کو بچایا جا سکتا ہے۔'' ڈاکٹر نے پُر اُمید لہجے میں کہا۔ جین نے فوراً پوچھا'' ڈاکٹر صاحب کیا وجہ ہے کہ ابھی تک گریس کی ماں جوں کی توں بے ہوش پڑی ہے۔ کیا جو علاج ابھی چل رہا ہے کافی نہیں یا مزید کچھ اور ہے آپ کے ذہن میں ؟'''' میرے خیال میں موجودہ علاج قطعی کافی نہیں۔ دراصل لنڈا کا دل پوری طرح ناکارہ ہو چکا ہے اور ہم اُسے ایک مصنوعی دل کے سہارے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اُسے دوبارہ نئی زندگی بخشنے کے لئے دل کا بدلنا اشد ضروری ہو گیا ہے۔ اس کے لئے آپ کو ایک موزوں دل خرید کے لانا ہو گا۔'' ڈاکٹر ولیم نے مزید سمجھایا۔

گریس نے فوراً تجسس بھری نظروں سے سوال کیا'' موزوں دل سے آپ کی کیا مراد ہے ڈاکٹر صاحب؟''

'' آپ جانتے ہیں کہ لنڈا کی عمر تقریباً اٹھاون برس کی ہے اور وہ ایک عورت ہے اسلئے حتیٰ الوسع کوشش ہونی چاہئے کہ نیا دل عورت کا ہی ہو اور عمر پچاس اور ساٹھ کے آس پاس ہونی چاہئے۔ اچھے نتائج کے لئے خاص طور سے ان دو باتوں کا خیال نہایت ضروری ہے۔ دوسری specifications کے بارے میں آپکو ہسپتال والے بتائیں گے۔ وہاں آپکو مزید ہدایات بھی دی جائیں گی تا کہ آپ کو صحیح اور مناسب دل تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ شیرُووڈ سٹریٹ(Sherwood street) میں ہیومن پارٹس مارکیٹ (Human parts market) نامی ایک پچیس منزلہ عمارت ہے جہاں ہر قسم کے انسانی اعضاء مناسب قیمت اور تمام تر احتیاطی تدابیر کے ساتھ بکتے ہیں۔ یہ مارکیٹ ورلڈ ہیلتھ آرگنائیزیشن اور حکومت کا منظور شدہ ہے براہِ مہربانی کہیں اور نہ جائیے گا''۔ یہ کہہ کے ڈاکٹر ولیم نے لنڈا کے دل کے اعداد و شمار کی درج شدہ تفصیل گریس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے نیک خواہشات دیں اور اُمید ظاہر کی کہ وہ اس کام کو جلد از جلد پورا کرے گا۔

گریس اور جین دونوں ڈاکٹر ولیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُس سے مصافحہ کر کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رخصت ہو گئے۔

ڈاکٹر کی گفتگو نے گریس کے اندر اُمید کی ایک نئی روح پھونک دی اور اُسے لگا کہ وہ جلد ہی اپنی ماں کو زندہ دیکھ سکے گا۔ ماں کی زندگی سے اُس کی بھی نئی زندگی کا آغاز ہو جائیگا اور وہ ماں کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے جین سے شادی کر سکے گا۔ یہ خیال آتے ہی اُس کا ذہن جین کے خوبصورت جسم، گھنے سُنہرے بال اور جھیل سی آنکھوں میں اُلجھ کے رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ جین واقعی بے حد حسین ہے اور وہ اُس سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اُس نے فوراً خیالوں کو ذہن سے جھٹک دیا اور ماں کیلئے نیا دل خریدنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

لنڈا کی بیماری کو تقریباً تین ہفتے ہو گئے تھے لیکن بہن لُوسی کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ حالانکہ گریس نے فون پہ اطلاع دینا چاہی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ تار کے جواب میں پوسٹ آفس سے اطلاع ملی تھی کہ لوسی اپنے خاوند کے ساتھ ایشیا کی کسی کوہ پیمائی مُہم پہ روانہ ہو گئی ہے اور ابھی مہینہ بھر اُس کے آنے کی کوئی اُمید نہیں۔ پوسٹ آفس والوں نے کہا کہ وہ تاہم کوشش کر کے پیغام اُن تک پہنچا دیں گے۔ گریس کو پورا یقین ہو چلا کہ لوسی کو ابھی تک ماں کی بیماری کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی ہے ورنہ وہ اب تک ضرور آ گئی ہوتی۔

آجکل گریس کا سہارا صرف جین تھی جو نہ صرف اُس کا گھر سنبھال رہی تھی بلکہ متواتر ہسپتال بھی آ کے اُسے تسلی دیتی تھی اور اُس کا حوصلہ بڑھاتی تھی۔ جین بھی چاہتی تھی کہ لنڈا جلد از جلد صحتیاب ہو جائے تا کہ وہ اپنی تمناؤں کو جلد عملی جامہ پہنا سکے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر لنڈا کو کچھ ہو گیا تو اُن کی شادی کا معاملہ طُول پکڑ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں گریس ماں کی جدائی کو کافی دیر تک بھُلا نہیں پائے گا اور وہ کوئی غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ جو یقیناً جین کے حق میں نہیں ہو گا اسلئے وہ دل سے چاہتی تھی کہ لنڈا ٹھیک ہو جائے۔

گریس اور جین دونوں گاڑی میں سوار ہو کے شیرووڈ سٹریٹ کی طرف چلدیئے۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد وہ ہیومن پارٹس مارکیٹ کی بلڈنگ کے سامنے تھے، Basement میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گاڑی پارک کر کے وہ لفٹ کے ذریعے اس پچیس منزلہ عمارت کے گراونڈ فلور کے بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ یہاں سامنے ایک بہت بڑا الیکٹرانک بورڈ تھا جس پہ ہر منزل کے دفاتر اور sections کی تفصیلات درج تھیں۔ دونوں نے پڑھ لیا کہ دل کا سیکشن ساتویں منزل پر ہے۔ اسلئے دونوں لفٹ کے ذریعے ساتویں منزل پہ پہنچ گئے۔

لِفٹ سے نکلتے ہی وہ ایک بڑے ہال میں تھے جس میں آرام دہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور سامنے چھوٹے چھوٹے میز تھے جن پہ مختلف رسالے اور میگزین تھے۔ کچھ لوگ میگزینز کے مطالعے میں مصروف تھے لگتا تھا کہ شائد یہ لوگ بھی دلوں کے خریدار تھے۔ بائیں جانب ایک شیشے کا کیبن تھا جس پہ Assistance لکھا ہوا تھا۔ یہاں ایک لڑکی کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔ گریس سیدھا اُس کے پاس گیا اور ڈاکٹر ولیم کا دیا ہوا فارم اُسے دیدیا۔ لڑکی نے کمپیوٹر میں دیکھنے کے بعد ساتھ والے پرنٹر سے نکلا ہوا کوپن گریس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اُس پہ لکھا تھا کہ اُسے کمرہ نمبر تین میں جانا ہوگا اور وہاں منسلک ہال میں ڈاکٹر تھامس سے ملنا ہے۔ گریس نے جین سے وہیں بیٹھنے کو کہا اور خود ہال نمبر ۳ کی جانب روانہ ہوگیا۔ ہال میں داخل ہونے سے پہلے گریس کو سفید کوٹ، سر پہ سفید ٹوپی، ہاتھوں میں دستانے، پاؤں میں ربڑ کے چپل اور چہرے پہ ماسک باندھنا پڑا۔ یہ سب لوازمات انجام دینے کے بعد وہ ہال نمبر ۳ میں داخل ہوگیا۔ جہاں ڈاکٹر تھامس اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ڈاکٹر تھامس کہتے ہیں خوش آمدید۔'' ''اور میں ہوں گریس'' گریس نے جوابدیا۔

''میرے پاس آپ کی سب تفصیلات موجود ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپکو اپنی ماں کے لئے ایک نئے دل کی تلاش ہے۔'' ڈاکٹر تھامس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں بھلا مطلوبہ دل کے بارے میں کیا کہوں۔ آپ خود اس کے ماہر ہیں اور میری ماں کے بیمار دل کے بارے میں بھی آپ کے پاس تفصیلات موجود ہیں اسلئے آپ ہی میری مدد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کر سکتے ہیں تا کہ میں صحیح دل چُن سکوں۔'' گریس نے کہا۔

ڈاکٹر تھامس نے سمجھاتے ہوئے کہا'' آپ کا کہنا بجا ہے۔ ویسے تو ہم ڈاکٹر ولیم سے مشورہ کر کے بھی نیا دل ہسپتال روانہ کر سکتے تھے لیکن ہم پارٹی کے آنے کو ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس کئی دل موجود ہوتے ہیں اور ہر دل کی قیمت مختلف ہے اسلئے موزوں دلوں میں سے کسی ایک کو چُننا خریدنے والے کا کام ہے۔ میں آپ کو چند ایک موزوں دل معہ ہسٹری کے دکھا دیتا ہوں۔ آپ ان میں سے کسی ایک کو چُن لیجئے اور قیمت ادا کر کے حلف نامے پر دستخط کر دیجئے۔ بعد میں وہ دل ہم خود بخود بحفاظت ہسپتال پہنچا دیں گے۔'' ''جیسی آپ کی مرضی'' گریس نے جواب دیا۔

ڈاکٹر تھامس اب گریس کو لے کر ایک لیبارٹری نما بڑے ہال میں لے گیا جہاں کئی ٹیبلز پہ بہت سے شیشے کے باکس تھے جن کے ساتھ پائپیں اور تاریں جڑی ہوئی تھیں جو مانیٹرس کے ساتھ جُڑی ہوئی تھیں۔ ہر بکس کے ساتھ ایک پمپ نما مشین اور ایک مانیٹر تھا جس کے سکرین پہ دل کے اعداد شمار نمایاں طور پہ چمک رہے تھے۔ قریب جانے پہ پتہ چلا کہ ہر شیشے کے بکس میں دل ہے جسے پمپ کے ذریعے صحیح مقدار اور دباؤ سے انسانی خون دے کے پوری طرح زندہ رکھا گیا ہے اور مانیٹر پر اس دل کی کیفیت پوری طرح نمودار ہو رہی ہے۔

یہ ہارٹ سٹوریج سیل تھا جس میں اُس دن دس دل شیشے کے بکسوں میں مشینوں کے ذریعے زندہ رکھے گئے تھے اور سبھی اپنے اپنے بکس میں اُچھل اُچھل کے دھڑک رہے تھے۔ ان دلوں کی دھڑکنوں کے شور سے اس ہال میں عجیب سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔

لمحہ بھر کیلئے گریس سوچنے لگا کہ نہ جانے یہ دل کن لوگوں کے ہیں؟ کبھی یہ بھی کسی جسم کے اندر دھڑکے ہونگے لیکن آج ان کے جسم یہ شیشوں کے بے جان بکس ہیں۔ یہ سب جسموں کی قید سے آزاد ہیں۔ آج ان پہ کسی بھی کیفیت یا حالت کا کوئی اثر نہیں لیکن کل جب یہ پھر کسی جسم میں نصب کر دیئے جائیں گے۔ ایک بار ان پر پھر دباؤ آجائے گا انسانی کیفیت

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کا، خوشی اور غم کا، پریشانی کا، دُکھ کا۔ یہ دل ان ہی بے جان بکسوں میں اچھے ہیں۔ انہیں آج کے پریشان انسان کے جسم میں پیوست کرنا انہیں پھر سے عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔

''یہ دل ایک غریب عورت کا ہے جو تیس سال کی عمر میں ایک حادثے کا شکار ہوگئی۔''

ڈاکٹر تھامس کی آواز نے گریس کو چونکا دیا۔ جو دائیں جانب کے پہلے شیشے کے صندوق کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ ''اس عورت کا نام مارگریٹ تھا اور اُس نے شادی نہیں کی تھی۔ اسے کسی شخص سے بے حد پیار تھا لیکن اُس نے مارگریٹ کو دھوکہ دے کے کسی اور لڑکی سے شادی کر لی۔ مارگریٹ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پائی اسلئے اُس نے اپنے مکان کی بالائی منزل سے کود کر اپنی جان دیدی۔ جسم تو بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا لیکن دل بچ نکلا اور وصیت کے مطابق یہ دل ہم تک پہنچ گیا۔'' گریس خاموشی سے یہ سُن رہا تھا اور نظریں اُس اُچھلتے دل پر مرکوز تھیں۔ اُسے لگا یہ دل آج بھی کسی کی بے وفائی پہ آہ وزاری کر رہا ہے اور چیخ چیخ کے کہہ رہا ہے کہ میں اب آزاد ہوں۔ خدارا مجھے کسی جسم میں قید نہ کرو۔

ڈاکٹر تھامس دوسرے دل کی تفصیل بتا رہا تھا۔ ''یہ دل مارتھا کا ہے جو سڑک کے حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ عمر تھی پنتالیس سال''۔

اسی طرح مختلف بکسوں کی طرف گریس کو لے جاتے ہوئے ڈاکٹر تھامس دوسرے دلوں کی تفاصیل بتاتا جا رہا تھا لیکن گریس یہ سب تو سُن رہا تھا لیکن اُس کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ ماں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کیا دل کے بدلنے کے بعد ماں ٹھیک ہو جائیگی؟ گو ڈاکٹر تھامس نے دلوں کی ہسٹری کے علاوہ ہر دل کے تکنیکی اعداد و شمار بھی گریس کو دیدئے مگر وہ جانتا تھا کہ دل کے موزوں ہونے کا فیصلہ تو ڈاکٹر ولیم ہی کرینگے۔ اس لئے اُس نے ڈاکٹر تھامس سے کہا کہ ''ماں کے لئے صحیح اور موزوں دل کا فیصلہ تو ڈاکٹر ولیم آپ سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کریں گے۔ میں فی الحال نیچے جا کے پیسے جمع کر دوں۔ آپ مجھے پروفار ما بل دیدیجئے''۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گریس ڈاکٹر تھامس سے بل لے کے اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر آ گیا۔ اُس نے کپڑے تبدیل کئے اور سیدھا نیچے ہال میں آ گیا اور اکاونٹس سیکشن کی کھڑکی کے پاس جا کے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے بل پہ درج پیسے جمع کروا دیجئے۔ ہال میں سامنے کرسی پہ بیٹھی ہوئی جین اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے جین سے کہا کہ وہ اب گھر جائے کیونکہ وہ اب اکیلا ڈاکٹر ولیم کے پاس جائے گا۔ چونکہ جین جانتی تھی کہ گریس اس وقت بہت پریشان ہے اسلئے اُس کے ساتھ کسی بحث میں پڑنا بیکار ہے اور بہتر یہی ہے کہ اُسے اکیلا جانے دیا جائے۔ بعد میں فون پہ اُس سے بات کی جا سکتی ہے۔

گریس گاڑی میں بیٹھ کے سیدھا ڈاکٹر ولیم کے کلینک پہ پہنچا تا کہ اُس سے مشورہ کیا جا سکے۔ ڈاکٹر ولیم شہر کا مشہور اور معروف ترین ڈاکٹر تھا اسلئے اس سے ملنا مشکل تھا مگر چونکہ وہ گریس کی پریشانی سے بخوبی واقف تھا اسلئے اُس نے گریس کے بارے میں جانتے ہوئے اُسے فوراً اندر بلا لیا اور اُس سے ہیومن پارٹس بلڈنگ میں دیکھے گئے دلوں کے بارے میں پوچھا۔ گریس نے صاف صاف بتا دیا کہ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ اُس نے ڈاکٹر ولیم سے گذارش کی کہ دل کا انتخاب وہ ہی کرے۔

ڈاکٹر ولیم نے کہا کہ ''میں نے ہیومن پارٹس بلڈنگ میں موجود سب دلوں کی تفصیل غور سے پڑھ لی ہے۔ سچ پوچھئے تو ان میں سے کوئی بھی دل سو فیصدی آپ کی والدہ کے لئے موزوں نہیں ہے تاہم اگر کچھ نہ بن پڑا تو ان ہی میں سے کوئی نہ کوئی دل خرید لیں گے کیونکہ لنڈا کی جان بچانا بے حد ضروری ہے۔ خدا نے چاہا تو انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ آپ بے فکر رہو ہم فیصلہ خود ہی کر لیں گے۔''

ڈاکٹر ولیم سے مشورہ کرنے کے بعد گریس سیدھا گھر پہنچا جہاں جین اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ جین نے فوراً دو کپ کافی بنائے اور دونوں کافی کی ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگے کچھ دیر بعد جین بھی گھر چلی گئی اور گریس وہیں صوفے پہ بیٹھے بیٹھے سو گیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کچھ دیر بعد اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی نے اُسے جگا دیا۔ ''ہیلو گڈ ایوننگ'' دوسری جانب ڈاکٹر ولیم بول رہے تھے۔ ''گریس ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ تمام ٹیسٹس مکمل کرنے کے بعد ہم دو دن بعد لنڈا کا آپریشن کرینگے۔ آپ بالکل بے فکر ہوجاؤ۔ خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہوجائیگا۔ آپ کل ہسپتال جاکے declaration فارم اور دوسرے کاغذات پہ دستخط کر دیجئے''۔ ''ٹھیک ہے ڈاکٹر ولیم میں کل ہی سب formalities پوری کردوں گا۔'' گریس نے جوابدیا۔

دوسرے دن گریس نہا دھو کے ناشتہ کرکے سیدھے ہسپتال پہنچا اور آپریشن کی رضامندی کے فارم پہ دستخط کردیئے جو پہلے ہی سے ڈاکٹر ولیم نے تیار کرواکے رکھے تھے۔

دو دن بعد لنڈا کا کامیاب آپریشن ہوگیا اور اُسے انتہائی نگہداشت والے وارڈ میں منتقل کردیا گیا۔ لنڈا کے سینے میں اب پرانا دل نکال کے نیا دل پیوست کردیا گیا تھا۔ ڈاکٹرس کے مطابق نئے دل نے تسلی بخش کام کرنا شروع کردیا تھا۔ گریس آپریشن کی کامیابی پہ بہت خوش تھا اور اُسے پوری اُمید تھی کہ کچھ دن بعد وہ پھر سے ماں سے بات چیت کرپائے گا۔ اُسے اپنا اور جین کی شادی کا خواب بھی پورا ہوتا نظر آیا۔ دوسرے لمحے اُسے جین کی آواز نے چونکا دیا جو بہت خوش نظر آرہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ ''گریس ماں کا کامیاب آپریشن مبارک ہو۔ لنڈا کے اس کامیاب آپریشن کے پیچھے نہ صرف ڈاکٹر ولیم اور اُس کی ٹیم کا ہاتھ ہے بلکہ لوگوں کی دعاؤں اور تمہاری ہمت کا بھی ہاتھ ہے۔ ماں کے صحتیاب ہوتے ہی ہمیں اُسے گھر لے جاکے جوں توں کرکے لوسی کو بھی ڈھونڈھ کے مطلع کرنا ہوگا۔'' اور گریس نے جواب دیا ''جین تم ٹھیک کہتی ہو۔'' اتنے میں ایک جونیئر ڈاکٹر نے آکے گریس کو اطلاع دی کہ ڈاکٹر ولیم اپنے کمرے میں آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ ہسپتال میں بھی ڈاکٹر ولیم کا الگ سے کمرہ تھا۔ جین اور گریس دونوں ڈاکٹر ولیم سے ملنے اُس کے کمرے کی طرف چلدیئے۔ جونہی وہ اُس کے کمرے میں داخل ہوئے تو ڈاکٹر ولیم نے کھڑے ہوکے اُن کا استقبال کیا اور گریس کو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کی ماں کے کامیاب آپریشن پہ مبارکباد دی۔ اُس نے مزید کہا کہ لنڈا خطرے سے باہر ہے۔ کیونکہ نیا دل بالکل ٹھیک کام کر رہا ہے۔ پھر بھی اُسے کچھ مہینوں تک ڈاکٹروں کے مسلسل مشاہدے میں رہنا ہوگا۔ ''آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی ہوگا'' گریس نے ڈاکٹر ولیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر ولیم نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''گریس تم یہ پچیس ہزار پاونڈ کا چیک لے لو۔ یہ وہ پیسے ہیں جو تم نے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ایڈوانس میں جمع کروائے تھے۔ کیونکہ دل کی قیمت اور دیگر اخراجات کے پیسے کسی نے ادا کر دیئے ہیں۔ اور ہمیں نیا دل بھی مل گیا تھا۔''

یہ رقم کس نے ادا کی ہے؟ اور دل کہاں سے آیا؟ گریس اور جین نے یک زبان ہو کے سوال کیا۔ 'جب ہم لنڈا کے آپریشن کے بارے میں سوچ رہے تھے اور ہم نے ہسپتال میں موجود دلوں میں سے ایک مخصوص دل چُن بھی لیا تھا تو ہیومن پارٹس مارکیٹ میں اچانک ایک اور دل بھی آیا اور ساتھ میں ایک شخص خط لیکر میرے پاس آیا۔ میں نے لفافہ کھولا اور دیکھا کہ خط کے ساتھ ایک وصیت تھی جو مرنے والے نے لکھی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ خط اور وصیت کس نے بھیجے تھے تم ہمت اور صبر سے کام لو اور سنو۔ یہ دل تمہاری بہن لوسی نے donate کیا ہے جو ایک حادثے کا شکار ہو کے بری طرح زخمی ہو چکی تھی اور ماں سے ملنے کیلئے بیقرار تھی کیونکہ اُسے ماں کی بیماری کی علمیّت ہو چکی تھی اسلئے اُس نے مرنے سے پہلے یہ وصیت لکھوادی کہ اگر وہ مر گئی تو اُسکا دل ماں کو دیا جائے اور آپریشن کے سب اخراجات اُسکے انشورنس سے ادا کئے جائیں۔ بدقسمتی سے لوسی بچ نہیں سکی اسلئے لنڈا کے آپریشن سے پہلے اُسکا دل ہمارے پاس پہنچ گیا جو ہم نے لنڈا کی چھاتی میں پیوست کر دیا ہے۔'' ڈاکٹر ولیم نے پوری وضاحت سے گریس اور جین کو پوری کہانی سنا دی۔ یہ خبر سنتے ہی جین اور گریس پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے۔ ڈاکٹر ولیم نے دونوں کو دلاسہ دیا اور کہا ''گریس تم بہت ہمت والے اور مضبوط دل کے مالک ہو۔ لُوسی کے ساتھ قسمت نے جو کھیل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کھیلنا تھا سو اُس نے کھیل لیا۔ یہ تو سوچو کہ مرتے مرتے بھی لوسی نے اپنا رول ادا کر ہی دیا۔ تم لوسی کی موت کے بارے میں فی الحال ماں سے ذکر نہ کرنا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اپنی بیٹی کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر پائے۔''

''لیکن لُوسی کے ساتھ یہ حادثہ کب اور کیسے پیش آیا۔'' گریس نے ڈاکٹر ولیم سے وضاحت چاہی۔ ''یہ خط اور وصیت لے لو۔ اس میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ فرصت سے پڑھ لینا۔'' ڈاکٹر ولیم نے لوسی کا خط اور وصیت نامہ گریس کو دیتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ولیم کے دلاسے اور جین کے سہارے نے کسی حد تک گریس میں صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا کر دی۔ خط اور وصیت کا لفافہ لیتے ہوئے وہ سوچنے لگا کہ اُسے ماں کی صحتیابی پہ خوش ہونا چاہئے یا لوسی کی موت پہ آنسو بہانے چاہئیں۔ وہ عجیب شش و پنج میں تھا کہ آخر مرا کون ہے ماں یا لوسی؟ اور زندہ کون ہے ماں یا لوسی؟ پھر دل ہی دل میں اُسے محسوس ہوا کہ دونوں ہی زندہ ہیں۔ وہی دل جس نے نو مہینے ماں کے پیٹ میں پرورش پائی تھی آج پھر سے ماں ہی کی چھاتی میں بیٹھا دھڑک رہا ہے۔ لوسی ماں کا دل بن کے پھر زندہ ہوگئی ہے اور ماں لوسی کا دل بن کے زندہ ہوگئی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

ٹریفک لائیٹس کی لال بتی جل اُٹھی اور عمران نے اپنی گاڑی روک دی۔ جب سے شہر کے چوراہوں پر ٹریفک لائیٹس نسب کر دی گئی ہیں شہر کے ٹریفک نظام میں خاصی بہتری آ گئی ہے۔ عمران کی نظریں ٹریفک لائیٹس کی سٹاپ واچ پہ مرکوز تھیں اور وہ سبز بتی کے جلنے کا انتظار کر رہا تھا تا کہ اُس کی والی لین کی گاڑیاں چل پڑیں۔ چوراہوں پر حسبِ معمول بھکاریوں نے ڈیرہ جما لیا تھا۔

جونہی لال بتی جل اُٹھی اور گاڑیاں رُک گئیں بھکاری مکھیوں کی طرح آدھمکے اور ہر سواری یا ڈرائیور کے آگے ہاتھ پھیلا کے بھیک مانگنے لگے۔

عمران ابھی سبز بتی جلنے کے انتظار میں ہی تھا کہ اُس کی گاڑی کے بند شیشے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ اُس نے مُڑ کے دیکھا کہ ایک لمبے قد کی جوان برقعہ پوش خاتون ہاتھ پھیلائے کھڑی بھیک مانگ رہی ہے۔ ہاتھ گورے اور خوبصورت تھے انگلیاں لمبی لمبی اور مخروطی جیسے کسی مصور کی ہوں۔ برقعے کے اندر چھپا ہوا جسم خوبصورت اور گداز لگ رہا تھا۔ برقعے کے جالی میں سے جھانکتی ہوئی نیم باز آنکھیں بے پناہ کشش لئے ہوئے دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ لگتا تھا نقاب سے باہر آ جائیں تو کسی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیں گی۔ بالوں کی ایک لٹ کنپٹی کے پاس سے برقعے سے باہر نکلی ہوئی تھی جو اُس کی شخصیت کو اور خوبصورت و دوبالا کر رہی تھی۔ بس یوں جانئے کہ پردے میں ایک خوبصورت قیامت تھی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عمران اُسے دیکھتے ہی مبہوت ہوگیا۔ اگر پیچھے رکی گاڑیوں کے ہارن نے اُسے چونکا نہ دیا ہوتا تو شاید وہ بھول گیا ہوتا کہ وہ گاڑی میں بیٹھا ہے۔ اُس نے فوراً گاڑی کی کھڑکی پہ لگا بٹن دبا کے شیشہ نیچے گرا کے دو روپے کا سکہ لڑکی کی ہتھیلی پہ رکھ دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

عمران کو جوان اور صحتمند بھکاری بہت برے لگتے تھے۔ ایسے بھکاریوں کو دیکھتے ہی اُس کا پارہ آسمان کو چھونے لگتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر ایسے بھیک مانگنے والے گنہگار ہیں تو اُنہیں بھیک دینے والے دوہرے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیونکہ بھیک دینے سے آپ ایک طبقے کو محنت اور حلال کی کمائی سے دور کر دیتے ہیں۔ اس عمل سے آپ جنت کی راہ پہ چلنے کی بجائے بھکاریوں کے لئے جہنم کے راستے کھول دیتے ہیں۔

لیکن آج وہ حیران تھا کہ اُس نے ایک جوان لڑکی کے ہاتھ میں دو روپے کا سکہ تھما کے اپنے اصولوں کا خون کیوں کر دیا؟ دراصل وہ پردے میں چھپی ہوئی خوبصورتی سے اسقدر مرعوب ہو چکا تھا کہ اُسے اپنے اُصول بھول گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بھلا ایسی کونسی مجبوری ہوگی جس نے اُسے بھیک مانگنے پہ مجبور کیا ہوگا۔

پردے میں چھپے رہنے کے باوجود لگ رہا تھا کہ لڑکی خاصی خوبصورت ہوگی۔ پھر لباس اور برقعے کو دیکھ کے لگتا تھا کہ اُس کا تعلق زیادہ غریب گھرانے سے نہیں ہے تاکہ دیکھ کے آدمی ترس کھا جائے۔ عمران نے سوچا ہوسکتا ہے کوئی بہت بڑی مجبوری ہوگی جس نے اُسے بھیک مانگنے پہ مجبور کیا ہوگا۔

عمران کا گھر چوراہے سے کوئی آدھ کلومیٹر کی دوری پر تھا اور دن میں دو تین مرتبہ اُسے وہاں سے گذرنا ہی پڑتا تھا۔ اُس نے سوچا کہ کبھی نہ کبھی تو اس لڑکی سے بھیک مانگنے کی وجہ پوچھ ہی لیں گے۔ اب اُس نے بہانے بے بہانے دن میں کئی مرتبہ اس چوراہے سے گذرنا شروع کر دیا لیکن وہ ہر بار اُس کی گاڑی کے سامنے نہیں آتی تھی پھر بھی ہفتے میں دو تین بار مڈ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھیڑ ہو ہی جاتی تھی۔ اب تو عمران چھوٹا سکہ نہیں بلکہ بیس روپے کا نوٹ اُس کے ہاتھ میں تھما دیتا تھا۔ لڑکی نے بھی جب دیکھا کہ اب عمران زیادہ روپے دینے لگا ہے تو وہ اب ہر بار دوڑی دوڑی اس کی گاڑی کے پاس آجاتی تھی۔ لگتا تھا وہ عمران سے کافی مانوس ہو چکی تھی لیکن پھر بھی منہ سے کچھ نہ بولتی تھی اور نا ہی اُس نے اپنا چہرہ دکھایا تھا۔

اس بھکارن کی اصلیت جاننے کیلئے عمران کا تجسس بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کی آواز تک نہیں سنی تھی۔ ابھی تک تو اُسے یہ بھی معلوم نہیں ہو پایا تھا کہ وہ کشمیری ہے یا باہر سے آئی ہے۔ عمران نے کئی بار اس سے ہمت کر کے پوچھ بھی لیا تھا کہ اُس کا نام کیا ہے؟ وہ کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ لیکن لڑکی نے کبھی جواب نہیں دیا۔ کئی بار تو اُسے وہم بھی ہو گیا کہ یہ بھکارن کہیں گونگی اور بہری تو نہیں؟

عمران خود ایک پڑھا لکھا لاء گریجویٹ تھا اور فارسٹ ڈیپارٹمنٹ میں لیگل ایڈوائزر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ چالیس سال کی عمر ہونے کے باوجود ابھی تک غیر شادی شدہ تھا۔ گھر میں بوڑھی ماں، چھوٹا بھائی اور بھابھی تھے۔ بھائی اریگیشن ڈیپارٹمنٹ میں کلرک تھا اور دو چھوٹے بچوں کا باپ تھا۔ بہن جو سب سے چھوٹی تھی شادی شدہ تھی اور گورنمنٹ ٹیچر تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد عمران نے گھر کا سارا بوجھ اپنے کندھوں پہ اُٹھا لیا تھا۔ اُس نے نہ صرف بھائی اور بہن کی پڑھائی مکمل کروائی بلکہ اُن کی شادیاں بھی کروائیں۔ ماں، بھائی، بہن اور بھابھی نہ صرف عمران کی شادی کے لئے کوشاں تھے بلکہ پریشان بھی تھے کیونکہ وہ شادی کے معاملے میں مسلسل انکار کئے جا رہا تھا البتہ کچھ دن پہلے ماں کے اصرار پر اُس نے شادی کے لئے حامی بھر لی تھی اور کہہ دیا تھا کہ جب بھی کوئی اچھی لڑکی ملے گی وہ شادی کے لئے ہاں کر دے گا۔

سرکاری کام کے سلسلے میں عمران کو چند دن کیلئے باہر جانا پڑا اس لئے وہ نہ تو چوراہے سے گذر سکا اور نہ ہی بھکارن سے مُڈبھیڑ ہوئی۔ واپس آنے کے بعد اگلی صبح جب عمران دفتر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی جانب روانہ ہوا تو چوراہے پر لڑکی اُسے دیکھتے ہی اُسکی گاڑی کی جانب لپکی اور پریشانی کے عالم میں اُس نے نقاب اُٹھائے بنا پوچھ ڈالا ''بابو جی آپ اتنے دن کہاں رہے؟ طبیعت تو ٹھیک تھی نا؟'' ''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یونہی سرکاری کام آن پڑا تھا۔'' عمران نے جوابدیا اور ساتھ ہی دل ہی دل میں خوش ہوا کہ شُکر ہے لڑکی گونگی نہیں ہے۔ اُس نے لڑکی سے پوچھا کہ ''آخر تم کون ہو؟ کیا نام ہے؟ اور کہاں رہتی ہو؟''۔ ''بابو جی اب میں آپ کو سب کچھ بتادوں گی۔ شام پانچ بجے بٹوارہ کے چوراہے پر ملوں گی''۔ لڑکی نے جوابدیا لیکن عمران کی طرف سے بڑھائے ہوئے پیسے لینے سے انکار کرتی ہوئی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

شام پورے پانچ بجے عمران بٹوارہ چوک پہنچا اور لڑکی کو اپنے انتظار میں پایا۔ گاڑی کے پاس پہنچتے ہی اُس نے کھڑکی کھولی اور سامنے والی سیٹ پہ عمران کے بغل میں بیٹھ گئی۔ نقاب بدستور چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔ عمران نے گاڑی ڈلگیٹ کی طرف موڑ دی اور وہ بلوارڈ کے ایک مشہور ریستوران میں داخل ہوگئے اور بیٹھتے ہی عمران نے چائے کا آرڈر دیا۔ عمران کے کچھ کہنے سے پہلے ہی لڑکی نے نقاب اُٹھائے بنا ہی بولنا شروع کردیا۔ ''بابو جی ابھی مہربانی کرکے مجھ سے میرا نام اور پتہ نہ پوچھئے گا۔ میں وقت آنے پہ سب کچھ بتادوں گی۔ فی الحال آپ مجھے ڈالی (Dolly) کہہ سکتے ہیں۔ میں صرف اتنا کہوں گی کہ میں ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں لیکن وقت کی ستم ظریفی نے مجھے بھیک مانگنے پہ مجبور کردیا ہے۔ باپ بجلی فٹنگ کا کام کرتا تھا جو ایک حادثے کا شکار ہوکے چل بسا اور گھر میں میرے، ماں اور دو چھوٹے بھائیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہا۔ میں اُن دنوں آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی اور چھوٹے بھائی بالترتیب چوتھی اور دوسری جماعت میں پڑھ رہے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد بچے کھچے پیسوں سے کچھ دن گھر کا خرچہ چلتا رہا مگر بعد میں آمدن کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کے باعث نوبت فاقہ کشی تک آ پہنچی۔ ابا کے مرنے پہ رشتے داروں، محلے والوں اور دوست واحباب نے بڑی بڑی تقریریں جھاڑیں اور ہمیں ہر ممکن مدد کا یقین دلایا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لیکن چند دنوں بعد سب کچھ ہوا ہو گیا۔ پتہ چلا کہ عام طور پہ سب میرے گھر سے زیادہ مجھ میں دلچسپی لے رہے تھے۔ میں مختلف اداروں میں گئی اور بڑے بڑے صاحب ثروت لوگوں سے کام کے عوض مدد مانگی لیکن مجھے لگا ہر طرف بھیڑیئے ہی بھیڑیئے ہیں جو مجھے نوچنا چاہتے ہیں۔ دو ایک جگہ میں نے گھریلو نوکرانی کی حیثیت سے بھی کام کیا لیکن ہر جگہ ایک جیسا ماحول پایا۔ اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پالنے اور چھوٹے بھائیوں کی پڑھائی جاری رکھنے کیلئے اب میرے پاس صرف دو راستے تھے کہ یا تو اپنا جسم بیچوں یا پھر بھیک مانگوں۔ میں جانتی تھی یہ دونوں راستے غلط اور گناہوں سے لبریز میں لیکن میں نے سوچا اپنے آپ کو دنیا سے چھپا کے بھیک مانگنے کا راستہ قدرے بہتر ہے۔''

عمران چپ چاپ اُس کی باتیں سنتا رہا اور ہلکے ہلکے چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ ڈالی نے پھر کہنا شروع کیا۔ ''بابو جی آپ کو خوامخواہ اپنی باتوں سے بور کر رہی ہوں۔ دراصل مجھے آپ میں شرافت کے ساتھ ساتھ کچھ اپنا پن سا لگا۔ کیونکہ آپ نے میرے بارے میں جاننے کی کوشش کی ورنہ دوسرے لوگ تو فقط کہتے تھے نقاب اُٹھا کے چہرہ دکھا دو، شام کو ملو، کتنا پیسہ لوگی؟، آو گاڑی میں بیٹھ جاؤ وغیرہ وغیرہ۔

نقاب اُٹھائے بغیر لڑکی نے پھر کہا۔ ''چونکہ شروع شروع میں اس پیشے اور اس کے لوازمات سے واقف نہیں تھی اس لئے خائف تھی۔ میرا یہ مسئلہ میری ایک بھکارن سہیلی نے حل کر دیا۔ اُس نے کہا اپنے آپ کو سب جان پہچان والے لوگوں سے اوجھل کر دو۔ اپنا اتا پتہ بتائے بنا اپنا منہ چھپا کے گھر سے بہت دُور یہ کام کرو۔ نلنی، میری سہیلی نے ٹھیکیدار کے ذریعے مجھے آپ والا چوراہا دلا دیا اور اس کے لئے میں نلنی کے ذریعے ہر ہفتے ٹھیکیدار کو پانچ سو روپے دیتی ہوں''۔ بولتے بولتے اس کا گلا رُندھ گیا اور وہ نقاب کے اندر سے آنسو پونچھنے ہی لگی تھی کہ اُس کا نقاب کھل گیا اور چہرہ عمران کے سامنے آ گیا۔

ایک لمحے کیلئے عمران مبہوت ہو کے اُسے گھورنے لگا۔ یا اللہ کیا حُسن ہے۔ ہرنی جیسی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑی بڑی آنکھیں، خم دار ابرو، ستواں ناک، گلابی رنگ اور گہرے کالے بال۔ ڈالی تو عمران کے تصور سے بھی زیادہ خوبصورت نکلی۔ اُس نے سوچا لڑکی کا نقاب میں رہنا واقعی صحیح فیصلہ تھا۔

عمران کو اچانک خیال آیا کہ کہیں یہی لڑکی تو نہیں جسکا اُسے انتظار تھا۔ نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ تو بھکارن ہے۔ بھلا میرے گھر اور خاندان میں اسے کون قبول کرے گا؟

اچانک لڑکی کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ ''بابو جی اب میں عنقریب یہ کام چھوڑنے والی ہوں کیونکہ ایک بھائی گریجویشن کر کے نوکری کرنے لگا ہے۔ دوسرے نے بھی میٹرک پاس کر لیا ہے۔ اور میں نے بھی پرائیویٹ طور پر میٹرک پاس کرلیا ہے۔

دراصل میں چاہتی ہوں کوئی ہمدرد ملے، کوئی سہارا ملے تو میں یہ کام چھوڑ دوں۔ اس سے پہلے کہ میرے گھر والوں، خاندان والوں یا واقف کاروں کو میرے اس پیشے کا علم ہوجائے میں اس دلدل سے باہر نکل آنا چاہتی ہوں۔''

''تمہارا یہ فیصلہ نہ صرف نیک اور دُرست ہے بلکہ نہایت موزوں اور بروقت ہے۔ تمہیں اب اس دلدل سے باہر آہی جانا چاہئے''۔ عمران نے خوش ہوکر جوابدیا۔ عمران کی حوصلہ افزائی سے ڈالی خوش ہوگئی اور کہنے لگی۔ ''کئی بار تو میں زندگی سے بیزار ہوچکی تھی۔ سوچتی تھی کہ آخر کب تک میں اپنے آپ کو چھپائے اس دلدل میں دھنستی رہوں گی۔ لیکن بابو جی آپ کی آمد نے میری زندگی میں پھر سے نئی روح پھونک دی ہے اور مجھے نئی زندگی جینے کا حوصلہ عطا کردیا ہے۔''

''تمہارا یہ فیصلہ درست ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں تم اس ذلت سے آزاد ہوجاؤ''۔ عمران نے خوش ہوکے کہا۔ ''تم کہو تو میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔ گھر میں ایک آیا کی ضرورت ہے تاکہ وہ ماں کی دیکھ بھال کرسکے۔ اگر تم چاہو تو آسکتی ہو۔ معقول تنخواہ ملے گی اور اس ذِلّت سے بھی چُھٹکارا مل جائے گا۔ تم گھر میں آیا نہیں بلکہ ایک فرد بن کے رہوگی۔'' ڈالی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نے کوئی جواب نہیں دیا اور صرف کہا۔ ''بابو جی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اب ہمیں چلنا چاہیئے۔''

اگلے دن جب عمران دفتر کے لئے روانہ ہوا تو چوراہے پر لال بتی روشن ہوتے ہی اُس نے گاڑی روک دی۔ وہ یہ دیکھ کے حیران و ششدر رہ گیا اور اُس پہ سکتہ طاری ہو گیا جب اُس نے ساتھ والی گاڑی کے سامنے ڈالی کو ہاتھ پھیلا کے بھیک مانگتے دیکھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بہہ گئے ارمان

پانی پڑے زوروں سے برس رہا تھا۔ پچھلے چار دن سے بارش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ رشید صاحب اور اُن کے دوست واحباب بے حد پریشان تھے کیونکہ پورے بیس دن بعد اُن کی اکلوتی بیٹی حنا کی شادی طے پائی تھی۔ حالانکہ سب کو اُمید تھی کہ تب تک موسم سازگار ہو جائیگا۔ اور ویسے بھی اُن کا علاقہ ایسا ہے جہاں بارش کا اثر زیادہ دیر قائم نہیں رہتا۔ اُن کے علاقے کرن نگر کا ڈرینیج سسٹم شاید سرینگر شہر کے بہترین ڈرینیج سسٹمز میں سے ہے۔ کیونکہ شہر کی بہترین اور قدیم ترین ڈرین یعنی گرین سیور یہیں سے گذرتی ہے۔ پھر بھی رشید صاحب اور اُن کے رشتہ داروں کو یہ تشویش لاحق تھی کہ شادی کے دِنوں میں موسم خشک رہنا چاہئے۔ ویسے بھی کشمیر میں شادی کے موقع پر خوشگوار موسم کیلئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہاں شادی کی ضیافت اور دیگر رسُوم کے لئے موسم کا خوشگوار ہونا نہایت ضروری ہے۔

عبدالرشید بہت ہی آسودہ حال بزنس مین تھا اور اُس کا شمار شہر کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ کرن نگر میں گھر اور بہت بڑے گودام کے علاوہ لالچوک میں ریڈی میڈ گارمنٹس کی بہت بڑی دوکان تھی جہاں پر چون اور تھوک پر مال فروخت کرتے تھے۔

رشید صاحب نے اپنی اکلوتی بیٹی حِنا کی شادی کی تیاریاں تقریباً مکمل کر لی تھیں بیوی اور بیٹی کی خواہش کے مطابق زیورات و کپڑے، دولہے اور اُس کے گھر والوں کیلئے کپڑے و

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تحائف اور رشتہ داروں و گھر والوں کیلئے کپڑے وغیرہ سب تیار ہو کے گھر آ چکے تھے۔ شامیانے والوں، وازہ وان (دعوت) پکانے والوں، بجلی و چراغاں کرنے والوں کو پہلے ہی سے ایڈوانس پیسے دیکے بُک کرلیا گیا تھا۔ گوشت، چاول، دُودھ اور دیگر چیزوں کا پورا پورا انتظام ہو چکا تھا۔ بس اب اگر انتظار تھا تو صرف نکاح کی رسم اور بیٹی کی رخصتی کا۔ دراصل رشید صاحب بہترین منتظم تھے اس لئے اُنہوں نے وقت سے پہلے ہی شادی کے ہر کام کا پورا انتظام کرلیا تھا۔

گھر میں خاصی گہما گہمی تھی کیونکہ نزدیکی رشتہ دار پہلے ہی سے آ چکے تھے اور ہر چھوٹے بڑے کام میں گھر والوں کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔

مگر ان تمام تیاریوں، خوشیوں اور ہنگاموں کے باوجود رشید صاحب اور اُن کی اہلیہ حلیمہ پریشان تھے۔ کیونکہ بارش تھی جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ حالانکہ گھر کے باغ میں شامیانہ لگانے کے علاوہ متبادل انتظام کیلئے اُن کے مکان میں بالائی منزل میں خاصہ بڑا ہال تھا جہاں سوسوا سو لوگوں کو بیٹھ کے کھانا کھلایا جاسکتا تھا۔ مزید نیچے کی منزلوں میں بھی پارٹیشن ہٹا کے چھوٹے چھوٹے ہال بن سکتے تھے۔ لیکن پھر بھی رشید صاحب کو چین نہیں تھا گو سب لوگ یقین دلا رہے تھے کہ بارش کے تھمتے ہی ایک دو دن میں سب ٹھیک ہو جائیگا۔

لیکن بارش تھی کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ خبروں کے مطابق جنوبی کشمیر کے کچھ علاقے اور سرینگر شہر کے کچھ پائین علاقے سیلاب کی زد میں آ چکے تھے اور سیلاب کا خطرہ برابر بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا کیونکہ دریائے جہلم کی سطح خطرے کے نشان سے اُوپر ہوتی جا رہی تھی۔ مگر رشید صاحب اور اُن کے رشتہ دار و احباب کو پورا یقین تھا کہ اُن کا علاقہ محفوظ ہے۔ اُسے سب نے یہ پوری طرح باور کرایا تھا کہ ہر چھوٹے بڑے سیلاب میں حکومت نے سرینگر شہر کو ہمیشہ بچایا ہے کیونکہ یہ شہر ریاست کی شان ہے۔ یہ نہ صرف حکومت کا مرکز ہے بلکہ کشمیر کی تجارت کا Hub ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سرینگر کو بچانے کیلئے نہ صرف کنڈی زال

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر پانپور کے نزدیک بنڈ) کاٹا جاتا ہے بلکہ ڈلگیٹ پہ جہلم کا اضافی پانی ڈل جھیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس لئے سونہ وار، راج باغ، جواہر نگر، کرن نگر، لالچوک، مگھر مل باغ، بٹہ مالو وغیرہ علاقوں کو بچانا ہمیشہ حکومت کی ترجیحات میں شامل رہا ہے۔ رشید صاحب بھی ان دلیلوں سے کچھ کچھ مطمئین ہو رہے تھے۔

رات کو جب سب افراد خانہ اور دیگر لوگ سوئے ہوئے تھے کہ اچانک بڑے زور کا دھماکا ہوا مگر آواز کسی گولے یا بم کی نہیں تھی۔ لگتا تھا کوئی بہت بڑی چیز گر گئی ہو اور ساتھ ہی بارش کے باوجود پانی کے تیز بہاؤ کا شور بھی سنائی دیا۔ رشید صاحب ہڑ بڑاہٹ میں اچانک اُٹھ بیٹھے اور کھڑکی کی طرف لپکے تاکہ باہر کے حالات کا جائزہ لیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مین گیٹ کا کہیں نام ونشان نہیں ہے اور سامنے والی کمپاؤنڈ وال پوری طرح گر گئی ہے پانی کا ایک دریا صحن میں داخل ہو رہا ہے اور مکان کے چاروں طرف پانی کی سطح تیزی سے بڑھ رہی ہے جس سے اُنہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آس پاس کے مکان اور علاقے پوری طرح پانی سے بھر چکے ہیں۔ رشید صاحب نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا تاکہ پہلی منزل میں سوئے ہوئے اہلِ خانہ ورشتہ دار اور نچلی منزل میں سوئے ملازم جاگ جائیں۔ اُنہوں نے چلّا چلّا کے سب کو ہدایت دی کہ جو کچھ بھی ضروری سامان بچایا جاسکتا ہے اُسے اُوپری منزلوں میں پہنچا دو اور سب لوگ اُوپر والی منزل میں جمع ہو جاؤ کیونکہ سیلاب کا پانی صحن میں داخل ہو چکا ہے اور پانی کی سطح بڑھتی جا رہی ہے۔

سب لوگ بھاگے بھاگے اوپر آ گئے۔ گھبراہٹ اور رات کے اندھیرے میں ہر کسی کو اپنی جان بچانے کی فکر تھی بھلا سامان کیا اُٹھاتے یا بچاتے۔

رشید صاحب کی بیوی حلیمہ کا برا حال تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خود کو بچائے یا بیٹی حنا کے زیورات اور شادی کا سامان بچائے۔ لیکن سب نے اُسے کھینچ کے اوپر پہنچا دیا اور دِلاسہ دیا کہ سیلاب کا پانی اُترنے پہ انشاء اللہ سب کچھ مل جائیگا۔ حلیمہ اُوپر تو آ گئی مگر بے حد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پریشان تھی اور رو رو کے نڈھال ہو رہی تھی۔

پانی پوری طرح نچلی منزل میں بھر چکا تھا اسلئے اب کسی چیز کو نکالنا یا بچانا محال تھا۔ خوش قسمتی سے ملازمین اور دوسرے لوگوں نے گیس چولہے، گیس سلینڈر، کچھ چاول، دالیں، مصالحہ جات، گھی اور تیل وغیرہ بالائی منزل پر پانی کے چڑھنے سے پہلے ہی پہنچا دیئے تھے کیونکہ شادی کی وجہ سے گھر میں کھانے پینے کی چیزوں کا سٹاک کثرت سے موجود تھا۔ اوُپر پہنچایا ہوا سامان سب مہمانوں اور اہلِ خانہ کیلئے تقریباً ایک ہفتے کیلئے کافی تھا۔ آس پاس کے ہمسایوں، رشتہ داروں یا واقف کاروں سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہو سکا تا کہ حالات کا پتہ چل سکتا کیونکہ موا صلاتی نظام بھی پوری طرح منقطع ہو چکا تھا۔

رات بھر سب محلے والے روتے پیٹتے اور چیختے چلاتے رہے۔ ساتھ والے مکان سے احمد دین نے اُوپر کی منزل کی کھڑکی سے چیخ چیخ کے بتایا کہ لالچوک اور ریذیڈنسی روڈ بھی پوری طرح ڈوب چکے ہیں۔ وہاں بھی پانی اسقدر تیزی سے آیا ہے کہ کسی کو کچھ بچانے یا باہر نکالنے کا موقع تک نہیں ملا۔ اور یہی حال شہر کے دوسرے حصوں یعنی شیو پورہ، سونہ وار اندر انگر، راج باغ اور جواہر نگر وغیرہ کا ہے۔ ہمسائے احمد دین نے یہ سب کچھ Inverter کے ذریعے ٹی۔ وی۔ پر دیکھا اور سُنا تھا۔ یہ سنتے ہی رشید صاحب پہ جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ مگر اُنہوں نے اس نئے غم کو سینے میں دفن کر لیا اور کسی کو کچھ بھی محسوس ہونے نہیں دیا۔ اُس نے سوچا کہ اگر حلیمہ یا حنا کو دوکان کے بارے میں ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو برداشت نہیں کر پائیں گی۔

رشید صاحب سوچ رہے تھے کہ پل بھر میں زندگی بھر کی کمائی ختم ہو گئی ہے۔ کرن نگر کا گھر، کرن نگر کا گودام اور لالچوک کی دوکان سب ایک رات میں ختم ہو گئے۔ اب صرف ایک فکر ہے کہ بیٹی کے ہاتھ پیلے ہو جائیں کیونکہ اُس کی ڈولی اُٹھنے میں صرف چند دن باقی تھے۔ رشید صاحب تو بڑے باہمت تھے مگر کیا کرتے؟ کیونکہ ایسے حالات میں تو بڑی جرأت والے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لوگوں کے بھی ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ پھر بھی انہوں نے ہمت کر کے یہ اعلان کیا کہ موقع ملتے ہی سب لوگ محفوظ مقام پہ چلے جائیں گے البتہ وہ اور گھر کے دو ملازمین یہیں گھر کے سامان کی رکھوالی کریں گے مگر سب نے یک زبان ہو کے یہ فیصلہ کیا کہ گھر میں کوئی نہیں رہے گا اور سب یہاں سے نکل جائیں گے جب پانی کی سطح کم ہو جائیگی تب آپ یہاں آ کے سب کچھ دیکھ لینا۔ بھلا ایسے میں مال اور گھر کے سامان کو کیا خطرہ ہے؟ کون آئے گا یہاں؟

خیر یہ فیصلہ ہوا کہ Rescue team کے آتے ہی سب لوگ گھر چھوڑ کے کسی محفوظ جگہ پہ چلے جائیں گے۔

جوں توں کر کے سب نے رات گذاری اور صبح ہوتے ہی سب بچاؤ کرنے والی تنظیموں کا انتظار کرنے لگے۔ خدا کا شکر تھا کہ بارش تھم چکی تھی اور مطلع صاف ہو رہا تھا۔ بچاؤ ٹیمیں اب ہر طرف کشتیوں میں گھوم رہی تھیں اور مکانوں کی اُوپری منزلوں سے لوگ انہیں ہاتھ ہلا ہلا کر اور چلّا چلّا کے اپنی طرف بلا رہے تھے۔ نوجوان رضا کار نہ صرف کھانے پینے کی چیزیں اور ادویات تقسیم کر رہے تھ بلکہ لوگوں کو گھروں سے نکال کے محفوظ مقامات پہ پہنچا رہے تھے۔ جب ایک بڑی کشتی رشید صاحب کے گھر کے سامنے آ کے رکی تو رضا کار جوانوں نے ایک ایک کر کے گھر کے افراد کو نکال کے اس میں بٹھا دیا۔ گھر کا سامان وہیں رہنے دیا یہاں تک کہ بیٹی حنا کے زیوارت اور دیگر قیمتی چیزیں جو کہ نچلی منزل میں پانی کے نیچے تھیں گھر میں ہی چھوڑ دیں۔ سب نے سوچا کہ اتنے پانی میں اُنہیں نکالنا ناممکن ہے۔ جیسے ہی پانی کی سطح کم ہو جائیگی وہ یہاں آ کے قیمتی سامان نکال لیں گے۔ پیچھے والا گودام معہ سامان بند پڑا تھا اسلئے اُسے ویسے ہی رہنے دیا۔

اب سب لوگ خانہ بدوشوں کی طرح ایک کیمپ میں پہنچا دیئے گئے جہاں مختلف رضا کار تنظیموں نے سیلاب زدگان کیلئے چھوٹے چھوٹے خیمے نسب کئے تھے۔ انہیں بھی ایک خیمے میں بٹھا دیا گیا۔ کھانا چاول اور دال پر مشتمل تھا اور سونے کیلئے بستر کے طور پر فی کس ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

معمولی سا کمبل دیا گیا تھا۔ اب رشید صاحب اور اُن کے اہلِ خانہ کو احساس ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوتا ہے تو پل بھر میں انسان آسمان سے گر کر زمین میں دھنس جاتا ہے۔ سیلاب کی اس ناگہانی آفت نے اُنہیں ایک کھاتے پیتے کروڑ پتی گھرانے سے رفیو جی بنا کے رکھ دیا تھا۔ خیر انہیں ایک بات کا اطمینان تھا کہ شُکر ہے جان بچ گئی۔

پورے آٹھ دن کیمپ میں رہنے کے بعد رشید صاحب کو بتایا گیا کہ کرن نگر اور لالچوک میں پانی کی سطح کافی حد تک کم ہوگئی ہے اسلئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ بیوی حلیمہ اور بیٹی حنا کو فی الحال یہیں رکھا جائے اور پہلے خود جا کے حالات کا جائزہ لیا جائے اسلئے وہ گھر کے دو ملازمین کو ساتھ لے کے تھوڑے تھوڑے پانی اور کیچڑ میں نکل پڑے۔ بڑی مشکل سے لالچوک پہنچے اور دیکھا کہ دوکان اب بھی اڑھائی فٹ پانی میں ہے۔ دوکان تو کھول نہیں پائے مگر اندازہ لگایا کہ شائد سب کچھ برباد ہوگیا ہوگا کیونکہ ہفتہ بھر دوکان دس فُٹ پانی میں تھی۔ اب وہ کشتی کے ذریعے کرن نگر کی جانب چل پڑے۔ پہلے گودام کی طرف گئے اور دیکھا کہ یہاں بھی ابھی دو ڈھائی فٹ پانی ہے اسلئے گودام کا دروازہ بھی کھول نہیں پائے۔ یہاں بھی یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ سب مال تباہ ہو چکا ہوگا۔ اب گھر کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ ابھی صحن اور گھر کے آس پاس خاصا پانی موجود ہے مگر پانی نچلی منزل سے نکل چکا ہے۔ صحن میں رکھی دونوں گاڑیاں پانی سے باہر آچکی ہیں لیکن اب بھی کوئی دو فٹ پانی میں ہیں۔

جوں ہی اُن کی کشتی مکان کے برآمدے کے سامنے آکے رُکی تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اچانک رشید صاحب کے ذہن میں ایک عجیب سا خیال گردش کرنے لگا کہ یہ سب کسی سازش کے تحت تو نہیں ہوا؟ بھلا سرینگر کے آسودہ حال گھرانے ہی کیوں سیلاب کی زد میں آگئے؟ دریائے جہلم میں طغیانی تو آئی مگر سیلاب کا رُخ شیوپورہ، سونہ وار، راج باغ، جواہر نگر، گوجی باغ، لالچوک، مگھر مل باغ، کرن نگر وغیرہ کی طرف کیوں موڑ دیا گیا۔ اُس نے سوچا پچھلی صدی میں جہلم دریا میں کئی سیلاب آئے مگر ان علاقوں میں کبھی سیلاب نہیں آیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس نے فوراً اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور سوچا کہ یہ شاید اُس کا وہم ہے۔ خیر تو وہ اب مکان کے اندر داخل ہو گیا۔

مکان میں داخل ہوتے ہی اُس نے ارادہ کیا کہ سب سے پہلے نچلی منزل میں رکھے ہوئے لاکرز اور سٹیل وارڈ روبز کھولے جائیں جن میں بیٹی حنا کی شادی کے زیورات اور دیگر قیمتی سامان ہے۔ دونوں ملازمین کو لیکر جب رشید صاحب عقبی کمرے میں پہنچا جہاں لاکرز موجود تھے تو اُس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی کیونکہ لاکرز اور وارڈ روبز کے دروازے کھلے تھے۔ لگتا تھا کسی نے اُنہیں توڑا ہے نزدیک جا کے دیکھا تو اندر رکھا سارا سامان غائب پایا۔ زیورات اور دیگر سامان کی مالیت تقریباً پچاس لاکھ روپے تھی۔ رشید صاحب چکر کھا کے گرنے لگے لیکن دونوں ملازمین نے اُنہیں فوراً سنبھال لیا اور اُنہیں سہارا دے کر اُوپر کی منزل میں لے گئے۔

عبدالرشید کو جب ہوش آیا تو اُسے اس بات کی حیرت ہوئی کہ جنہوں نے بچایا اور گھر سے نکالا وہ اپنے ہی لوگ تھے۔ جنہوں نے کیمپ میں پناہ دی، کھلایا، پلایا اور دیگر چیزیں مہیا کیں وہ بھی تو اپنے ہی لوگ تھے۔ تو پھر جنہوں نے میری حنا کے زیورات اور کپڑے چرائے وہ کون تھے؟ کیا اُنہیں ہم پہ ترس نہیں آیا؟۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مسیحا

ناری بب یعنی لوٹا بابا پچھلے کئی سالوں سے روہن پورہ علاقے میں شاہ صاحب کے روضے پہ رہ رہا تھا۔ روضہ مبارک کے پاس ایک کمرہ ہے بس یہی لوٹا بابا کا گھر تھا۔ محلے کے آس پاس کے گھرانوں سے اُن کے لئے دو وقت کا کھانا اور چائے آتی تھی۔ محلے کے لوگ یعنی بچے، جوان اور بوڑھے سبھی اُن کی عزت کرتے تھے اور اُنہیں پہنچا ہوا بزرگ مانتے تھے۔ عورتیں خاص طور سے لوٹا بابا کا بے حد احترام کرتی تھیں۔ اور ہر چھوٹی بڑی پریشانی کا حل اُن کے پاس تلاش کرنے آجاتی تھیں۔ گو بابا کسی سے بات نہیں کرتے تھے تاہم اُن کے اشاروں اور حرکات سے ہی اُن کے پرستاروں کو اپنی پریشانیوں کا جواب مل جاتا تھا۔

یوں تو بابا اپنے کمرے میں اکیلے ہی رہتے تھے لیکن پچھلے دو ایک سالوں سے دو کشمیری جوان لڑکے بھی مُرید بن کے بابا کے ساتھ روضے پہ براجمان تھے۔ اب یہی دو لڑکے لوگوں کی باتیں اشاروں سے بابا کو سمجھاتے تھے اور بابا کی جانب سے اُن کا حل لوگوں کو بتاتے تھے۔

لوٹا بابا کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اُن کا اصلی نام کیا ہے؟ وہ ہندو ہیں یا مسلمان، سکھ ہیں یا عیسائی، محلے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ہاں البتہ یہ قیاس آرائیاں کی جاتی تھیں کہ چونکہ وہ مسلمان بزرگ کے مزار پہ آکے رہنے لگے ہیں اس لئے بابا مسلمان ہی ہونگے۔ حالانکہ روضے کے بغل میں ایک چھوٹی سی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مسجد ہے مگر آج تک کسی نے بابا کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ اُن سے کئی بار اس بارے میں سوالات پوچھے گئے تھے مگر بابا نے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ محلے کے چند جوانوں نے کچھ لوگوں کی شہہ پر دسمبر کے کڑاکے کی سردی میں بابا کو زبردستی اس روضے سے گھسیٹ کر باہر نکال دیا تھا۔ اُن کا کہنا تھا کہ لوٹا بابا کا شاہؒ صاحب کے مزار پہ رہنا اسلامی اصولوں کے منافی ہے کیونکہ بابا کے مذہب اور ذات پات کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ اسلئے اُنہوں نے بابا کو کڑاکے کی ٹھنڈ میں کھلے کھیت میں چھوڑ دیا تھا مگر بابا نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اور چُپ چاپ ساری رات کھلے کھیت میں بیٹھے رہے تھے۔ اگلی صبح جب لوگ اُنہیں دیکھنے گئے تو دیکھا کہ بابا، جو صرف ایک فرن، قمیض اور پائجامے میں تھے، بڑے اطمینان سے بیٹھے چائے پی رہے تھے جو شائد کسی محلے والے نے اُن کے لئے لائی تھی۔ کچھ محلے والوں نے بابا کو گھر لے جانا چاہا مگر اُنہوں نے انکار کر دیا تھا۔ جن تین لڑکوں نے بابا کو گھسیٹ کے نکالا تھا، کہتے ہیں ایک کی دوسرے ہی دن کسی یخ بستہ سڑک سے پھسل کر ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ دوسرے کے گھر میں اچھی بھلی دُودھ دینے والی گائے اچانک مر گئی تھی اور تیسرے کے گھر میں اچانک آگ نمودار ہوئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کا گھر راکھ میں تبدیل ہو گیا تھا اور جن لوگوں کے کہنے پر ان جوانوں نے یہ سب کچھ کیا تھا ایک تو تیسرے ہی دن اس دنیا سے چل بسا، دوسرے پہ فالج کا اٹیک ہوا اور اپاہج ہو گیا۔ یہ سب کچھ محض چند دن کے اندر اندر ہو گیا اسلئے محلے والوں اور آس پاس کی بستی والوں کو یہ پختہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ سب اسلئے ہوا تھا کہ بابا کو شاہ صاحب کے مزار سے اُٹھایا گیا تھا اس لئے تین دن بعد سب محلے والے لوٹا بابا کے پاس گئے اُن سے معافی مانگی اور منت سماجت کر کے اُنہیں پھر سے شاہ صاحب کے روضے پہ لے آئے تھے۔

لوٹا بابا نے اپنے نکالے جانے پہ نہ ہی احتجاج کیا تھا اور نہ ہی واپس آنے پہ کسی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اُن کے چہرے کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ جیسے اُنہیں یقین تھا کہ اُنہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

واپس بلایا جائے گا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ تین دن اور تین رات زبردست سردی میں رہنے اور محض ایک دن کا کھانا ملنے کے باوجود بابا بالکل ٹھیک تھے اور بے فکر تھے۔

لوٹا بابا عمر میں لگ بھگ چالیس اور پچاس سال کے بیچ لگتے تھے۔ قد تقریباً چھ فٹ، لمبی کھچڑی داڑھی، گردن تک پھیلے ہوئے کھچڑی نما بال، چوڑی چھاتی، بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، چوڑے جبڑے، گہرا سانولہ رنگ۔ غرض یہ کہ ہر لحاظ سے بابا لمبے تڑنگے ادھیڑ عمر کے مرد تھے جو جوانی میں کافی وجیہہ اور تنومند رہے ہونگے۔ رہا سوال اُنکے لوٹا بابا نام کا تو یہ نام لوگوں نے اُنہیں دیا تھا۔ یہ نام اسلئے رکھا تھا کہ بابا کے پاس ہر وقت ایک المونیم کا لوٹا رہتا تھا جو کہ ہمیشہ پانی سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ کسی نے بابا کو لوٹے میں پانی بھرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر لوگوں کو پانی دینے کے باوجود لوٹا کبھی خالی نہیں ہوتا تھا۔ بابا جب کسی سے خوش ہوتے یا کسی کی مدد کرنا چاہتے تھے تو اسی لوٹے سے پانی کے چند قطرے اُس کی ہتھیلی پہ اُنڈیل دیتے تھے اور سائیل یہ سمجھتا تھا کہ بابا نے اُس کی خواہش یا منت پوری کر دی ہے۔ اس لئے اس لوٹے کی وجہ سے بابا، لوٹا بابا کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ بابا کی شہرت اب روہن پورہ سے نکل کر پوری وادی میں پھیل چکی تھی اور دور دُور سے لوگ اُن سے ملنے کیلئے آتے تھے۔

جن دنوں بابا روہن پورہ میں شاہ صاحب کے آستانے پہ آئے تھے ہماری وادی میں عسکری کاروائیاں عروج پر تھیں اور یہاں کے اور آس پاس کے علاقوں کے بہت سے نوجوان مختلف عسکری تنظیموں سے وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ سب لڑکے بھی بابا کی بہت عزت کرتے تھے بلکہ بابا کو جاننے کے بعد اِن لڑکوں نے بابا کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اُٹھا رکھی تھی اور آس پاس کے لوگوں کو بتا رکھا تھا کہ بابا ہمارے علاقے کی امانت ہیں اسلئے ان کی حفاظت ہم سب کے ذمہ ہے۔ حالانکہ بابا کے آنے کے بعد بھی روہن پورہ اور آس پاس کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

علاقوں کے کئی لڑکے جان بحق ہو گئے، کچھ غائب ہو گئے اور کچھ ابھی بھی جیلوں میں بند ہیں۔ جب بھی ان لڑکوں کے والدین یا وارثین بابا سے فریاد کرتے تو وہ اشارتاً بتا دیتے کہ یہ سب اللہ کی مرضی سے ہوا ہے اور انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ ہاں البتہ جب بھی کوئی ایسی واردات ہو جاتی تھی تو لوٹا بابا تک اس کی خبر پہنچ جاتی تھی اور بابا اُس دن کچھ نہیں کھاتے تھے اور نا ہی لوگوں سے ملتے تھے۔ بس کمرے میں گُم سُم بیٹھے رہتے تھے۔

اب کئی سالوں سے بالعموم وادی میں اور بالخصوص روہن پورہ علاقے میں عکسری کاروائیاں تقریباً بند ہو چکی تھیں اور بچے کھچے عسکریت پسند یا تو ان کاروائیوں سے کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے یا پھر مصلحتاً خاموش بیٹھے تھے۔ گاؤں کا ایک لڑکا عبدالعزیز جو عرف سرفراز یا عرف جرنیل کے طور جانا جاتا تھا ایک بہت بڑی عسکری تنظیم کا سرکردہ کمانڈر تھا، ابھی تک روپوش تھا۔ یہ کمانڈر بہت سے معرکوں سے بچ نکلا تھا اور فورسز کو اِس کی بے حد تلاش تھی۔ اس کا تعلق بھی روہن پورہ سے تھا اور کبھی کبھار یہاں آ کے نہ صرف اپنے گھر والوں سے مل لیتا تھا بلکہ لوٹا بابا کے ہاں بھی حاضری دے دیتا تھا۔ گو بابا اُسے آنے کیلئے منع کرتے تھے مگر وہ پھر بھی بابا سے ملنے آ جایا کرتا تھا۔ اُسکی تنظیم اُسکے آنے کی خبر میں اتنی راز داری برتتی تھی کہ حکام کو اُسکی آمد کی خبر کانوں کان نہیں ہوتی تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جرنیل جونہی علاقے میں داخل ہوا تو شک یا افواہ کی بنیاد پہ آرمی اور پولیس نے علاقے کا محاصرہ کر لیا لیکن وہ ہمیشہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کے بھاگ نکلنے کے بعد علاقے کے لوگوں کو گھنٹوں کریک ڈاؤن کے دوران میدان میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ کریک ڈاؤن میں آرمی بابا تک کو بھی نہیں بخشتی تھی۔ اُسے بھی کئی بار گھنٹوں کریک ڈاؤن میں لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پڑا تھا۔

حسبِ معمول کل رات بھی جرنیل علاقے میں آیا اور اپنے گھر والوں سے ملنے گیا۔ پھر کیا تھا کہ اتنے میں آرمی نے علاقے کا محاصرہ کر لیا اور مسجد کے مائیکروفون کے ذریعے محلے والوں کو گھروں کے اندر ہی رہنے کی ہدایت دی گئی۔ اچانک گولیوں اور بموں کی آواز سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پورا محلّہ لرز اُٹھا۔ ڈر کے مارے لوگ گھروں کے اندر دُبک کے بیٹھ گے۔ گولیوں کی گھن گرج کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور پورے علاقے کے لوگ سہم گئے۔ کوئی دو گھنٹے بعد گولیوں اور بموں کی آوازیں آنا بند ہوگئیں۔ چونکہ یہ آدھی رات کا وقت تھا اسلئے کسی نے بھی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ اب موبائیل فون یا لینڈ لائن کے ذریعے ہمسایوں سے پوچھ کے خیریت دریافت کرتے مگر لگتا تھا کہ حکام نے یہ سروسز بلاک کردی ہوئی تھیں اسلئے مجبوراً صبح کا انتظار کرنا پڑا۔ کچھ کچھ وقفے کے بعد اکا دُکا گاڑیوں کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں لیکن کسی میں ہمت نہیں تھی کہ باہر نکل کے حالات معلوم کرے۔

صبح پو پھٹتے ہی کچھ لوگ باہر آئے اور حالات کے بارے میں دریافت کیا۔ پتہ چلا کہ عبدالعزیز ڈار عُرف سرفراز عُرف جرنیل زخمی حالت میں گرفتار کرلیا گیا ہے اور اُس کے دو ساتھی مارے گئے ہیں جن کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کہاں کے تھے کیونکہ پولیس اُن دونوں کی لاشوں کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

فجر کی نماز کے فوراً بعد لوگ شاہ صاحب کی زیارت پہ لوٹا بابا سے شکایت کرنے پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ ناری بب عرف لوٹا بابا غائب ہیں اور اُن کے دو کشمیری مُریدلڑکے بھی کہیں موجود نہ تھے۔ پچھلے بیس سال میں یہ پہلا موقع تھا کہ لوٹا بابا شاہ صاحب کے آستانے پہ موجود نہیں تھے۔ لوگوں نے بہت ڈھونڈا مگر بابا کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔ بابا کا لوٹا جو ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا تھا آج خالی اوندھا زمین پر پڑا ہوا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور ڈور کٹ گئی

جب محی الدین ملک کا دوسرا بیٹا بھی امریکہ میں نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو گھر کیا پورے خاندان میں جشن کا سا سماں چھا گیا۔ ماں تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی اور محی الدین ملک خود چھاتی چوڑی کئے ہر کسی کو فخر سے یہ خبر سنا رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُس کے دونوں بیٹے امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں اپنی محنت اور قابلیت کے بل بوتے پہ نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

بڑا بیٹا معراج الدین اپنی قابلیت کے بول بوتے پہ سرینگر کشمیر کے میڈیکل کالج سے اچھے نمبرات سے ایم بی بی ایس پاس کرنے کے بعد امریکی ہسپتال کے میڈیکل کالج کے امتحان میں امتیازی پوزیشن حاصل کر کے وہاں نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور پچھلے چار سال سے وہاں ترقی کے منازل طے کر رہا تھا اور اب بہت بڑا ڈاکٹر بن چکا تھا۔ ہر سال ماں باپ سے ملنے آ جاتا تھا اور اپنے کام سے مطمئن تھا۔ ماں باپ بھی خوش تھے کہ بیٹا ہر سال آتا ہے اور خوب تحفے تحائف لاتا ہے سنا تھا کہ اب معراج الدین نے اپنا فلیٹ بھی خرید لیا تھا اور اس کا ڈھنڈورا ماں اور باپ نے پورے خاندان میں پیٹا تھا۔ باپ تو ہر کسی سے یہ کہہ رہا تھا کہ اتنے قلیل عرصے میں یہاں یہ سب ناممکن ہے بلکہ یہاں تو دس سال کی نوکری کے بعد بھی ایک سکوٹر خریدنا مشکل ہے۔

محی الدین خود ریاستی سکریٹریٹ میں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں سینئر اسسٹنٹ تھا۔ اُس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے بس دو بیٹے تھے معراج الدین اور گلزار احمد۔ دونوں بیٹوں کو بڑی مشکل سے اچھے سکول میں پڑھایا تھا۔ دونوں بیٹے نہ صرف محنتی تھے بلکہ ذہین بھی اور محی الدین مطمئن تھا کہ دونوں لڑکے اُس کی کوشش، محنت اور اُمید کو ضائع نہیں کر رہے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ دونوں بچے زندگی میں ضرور کامیاب ہونگے۔ محی الدین کی بیوی شاہدہ بھی بچوں کی کامیابی پہ بے حد خوش تھی۔ وہ مختلف آستانوں پہ جا کے دونوں بیٹوں کی کامیابی کے لئے دعائیں اور منتیں مانگتی رہتی تھی۔ اُس کے خاوند محی الدین ملک کا خیال تھا کہ لڑکوں کی کامیابی میں اُنکی محنت و قابلیت سے زیادہ شاید اُن کی ماں کی دعاؤں کا اثر ہے۔

آج جب چھوٹا بیٹا گلزار بھی کل ہند امتحان میں امتیازی درجے سے امریکہ کی باوقار یونیورسٹی MIT میں داخلہ لینے میں کامیاب ہوگیا تھا تو محی الدین خوشی سے دیوانہ ہوگیا تھا۔ گلزار نے کمپیوٹر انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد MIT میں داخلہ حاصل کیا تھا۔ اُسے مزید پڑھائی کے ساتھ ساتھ part time کام کرنے کی بھی اجازت مل گئی تھی۔ باپ خوش تھا کہ امریکہ میں گلزار اپنے رہنے اور مزید پڑھائی کا خرچہ خود ہی برداشت کر سکے گا۔

حالانکہ گلزار بے حد خوش تھا لیکن اُسے ایک فکر کھائے جا رہی تھی کہ اگر وہ بھی چلا گیا تو آخر والدین کے پاس کون رہے گا؟ بڑے بھائی معراج الدین نے بھی اس مسئلے کی جانب ہلکا سا اشارہ دیا تھا۔ اس لئے گلزار نے دبے الفاظ میں والدین سے کہہ دیا کہ وہ امریکہ نہیں جائے گا کیونکہ ہم دونوں بھائی یہ نہیں چاہتے کہ یہاں آپ اکیلے رہ جائیں۔ یہ سنتے ہی محی الدین پہ جیسے بجلی ٹوٹ پڑی اور اُس نے گلزار کو ڈانٹتے ہوئے کہا ''لوگ ایسے مواقع کے لئے ترستے ہیں اور ایک تم ہو کہ دروازے پہ دستک دے رہی قسمت کو ٹھکرا رہے ہو۔'' ہم دونوں میاں بیوی کو کچھ نہیں چاہیئے۔ میں اچھی خاصی تنخواہ لیتا ہوں جو ہم دونوں کے لئے بہت ہے۔ خدانخواستہ کچھ بڑی ضرورت آن پڑی تو تم دونوں تو ہو نا۔ معراج ہر سال ہفتہ بھر کے لئے آجاتا ہے سو تم بھی آتے رہنا۔ آجکل کے دور میں دنیا کا کوئی بھی ملک دُور نہیں۔ ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دن میں آپ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جاسکتے ہو۔'' گلزار نے جواباً کہا ''مگر ابو آپ کی اور امی کی یہاں دیکھ بھال کون کرے گا؟'' لیکن محی الدین ملک نے گلزار کی ایک نہ مانی اور کہا'' ہماری دیکھ بھال کے لئے گھریلو ملازم اعجاز ہے نا۔ تم نہیں جانتے کہ تم دونوں کے باہر رہنے سے خاندان میں ہماری عزت بنے رہے گی۔ اب تم ہی سوچو کہ ہمارے خاندان یا جاننے والوں میں ایسے کتنے گھرانے ہیں جن کے بچے اسقدر ترقی کر چکے ہیں؟ بیٹا تم اولین فرصت میں امریکہ جانے کی تیاری کرو اور اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ ہم دونوں میاں بیوی کی دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔

چند دنوں بعد گلزار بھی امریکہ روانہ ہوگیا۔ اب دونوں بھائی امریکہ میں تھے اور چونکہ محنتی اور قابل تھے اس لئے دونوں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے تھے۔

معراج جواب بہت مشہور ڈاکٹر بن چکا تھا نے ایک پاکستانی لڑکی کو پسند کرلیا جو کہ اُس کی ہم پیشہ تھی۔ لڑکی، اُس کے والدین اور دیگر گھر والوں کا کشمیر آنا ممکن نہیں تھا اس لئے شادی کا اہتمام امریکہ ہی میں کیا گیا۔ معراج نے ماں باپ کو امریکہ بلا لیا تا کہ شادی میں شرکت کرسکیں۔ بھائی گلزار تو وہیں تھا۔ شادی بڑے دھوم دھام سے ہوئی۔ کچھ پاکستانی، ہندوستانی اور وہاں مقیم کشمیری گھرانوں نے بھی شادی میں شرکت کی۔ شاہدہ یعنی معراج کی ماں ان سب انتظامات سے مطمئن نہیں ہوئی کیونکہ بقول اُسکے نہ ون و ون (شادی کی تقریب میں کشمیری گانا) تھا، نہ وازوان (کشمیری ضیافت میں خاص کشمیری پکوان) اور نہ ہی قریبی رشتے دار تھے۔ خیر دِل برداشتہ دونوں والدین چند دن امریکہ کی سیر کرنے کے بعد واپس کشمیر لوٹ آئے۔

اب والدین کی ایک ہی اُمید تھی کہ چھوٹے بیٹے گلزار کی شادی اپنی کسی رشتہ دار کشمیری لڑکی سے کرینگے تا کہ دل کے ارمان پورے کریں۔

وقت گذرتا گیا اب معراج کے ہاں دو بچے بھی ہو چکے تھے لیکن دادا دادی ان بچوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے ملنے کے لئے ترس رہے تھے۔ کیونکہ اُنہوں نے صرف تصویریں اور ویڈیوز دیکھے تھے پر بچوں سے مل نہیں پائے تھے کیونکہ شادی کے بعد معراج پچھلے پانچ سال میں صرف ایک بار گھر آسکا تھا مگر بیوی بچوں کو ساتھ نہیں لا پایا تھا۔

ایک دن اچانک محی الدین ملک اور شاہدہ پہ جیسے بجلی ٹوٹ پڑی جب اُنہوں نے سنا کہ گلزار نے ایک ساوتھ افریکن لڑکی سے شادی رچائی ہے اور یہ شادی اُس نے عدالت میں رجسٹر کروالی ہے۔ شاہدہ اور محی الدین کے خواب چکنا چور ہو گئے۔ دراصل یہ خبر اُنہیں معراج یعنی بڑے بیٹے نے دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ اس میں کچھ مجبوری تھی اس لئے وقت پہ اطلاع نہیں دی جاسکی۔

ماں باپ یہ خبر سن کے مایوس تو ہو گئے لیکن بھلا کر بھی کیا سکتے تھے صرف دعائیں دیتے رہے اور استدعا کی کہ کم از کم شادی کی تصویریں اور فلم بھیج دو۔

وقت کا دھارا حسبِ دستور بہتا ہی چلا گیا۔ محی الدین ملک انڈر سیکریٹری کے عہدے پہ پہنچ کے اب ریٹائر ہو چکا تھا اور شاہدہ کو کئی بیماریوں نے آگھیرا تھا۔ ان کے دونوں بیٹے امریکہ میں بالترتیب بہت بڑے ڈاکٹر اور انجینئر بن چکے تھے۔ دونوں کے بچے بڑے ہو چکے تھے اور ہنسی خوشی اپنی زندگی گذار رہے تھے پہلے پہل تو سال میں ایک آدھ مرتبہ ماں باپ سے ملنے آجایا کرتے تھے پر اب اپنی مصروف زندگی کے باعث کئی کئی سال تک گھر نہیں آپاتے تھے ہاں البتہ فون پہ رابطہ قائم تھا۔

ایک دن اچانک شاہدہ کی طبیعت خراب ہو گئی اور محی الدین نے اُسے ہسپتال داخل کروادیا۔ اُس کی شوگر لیول بڑھ چکی تھی اور لاکھ ادویات اور پرہیز کے باوجود اس میں کوئی افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ محی الدین نے دونوں بیٹوں کو ماں کی بیماری کے بارے میں مطلع کیا پر دونوں اپنی بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے نہیں آسکے اور بے چاری شاہدہ دونوں بچوں کی راہ دیکھتے ہوئے اللہ کو پیاری ہو گئی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ماں کے مرنے کے بعد باپ نے دونوں بیٹوں کو آنے سے منع کر دیا۔ اُس نے دونوں سے کہا کہ ''اب ماں تو جا چکی ہے واپس نہیں آسکتی اس لئے تم دونوں اپنی اولاد اور جاب کا خیال رکھو۔ میری فکر کی ضرورت نہیں۔ گھریلو ملازم میرا خوب خیال رکھتا ہے۔ رہا سوال خرچے کا تو میری پنشن میرے اخراجات کے لئے کافی ہے۔ جاب سے فرصت ملے تو ملنے آجانا اور بچوں کو ضرور ساتھ لانا۔''

بیوی کے مرجانے کے بعد اب محی الدین اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرنے لگا تھا۔ پہروں کمرے میں اکیلا بیٹھ کے سوچتا رہتا۔ بیوی کے بارے میں، بچوں کے بارے میں۔ اب کئی بار اُسے احساس ہونے لگتا کہ لڑکوں کو ملک سے باہر بھیج کر شائد اُس نے غلطی کی تھی۔ وہ سوچتا کہ اولاد بے شک آپ کی مالی معاونت نہ کرے لیکن بڑھاپے میں اُن کا قریب ہونا بہت ضرورت ہے۔

ہم مشرقی تہذیب میں رہنے والے لوگ اپنا لباس، رہن سہن، کھانے پینے کا طریقہ یا اپنی زبان تو بدل سکتے ہیں لیکن مغربی انداز سے جی نہیں سکتے کیونکہ ہمارا کلچر، ہماری تہذیب، ہماری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔ ہم لاکھ نئی تہذیبوں، دولت یا ترقی کے پیچھے بھاگیں لیکن ہماری جڑیں اپنی ہی تہذیب اور کلچر کی زمین میں دھنسی ہوئی ہیں۔ وہ اب سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا کہ میرے ذہین لڑکوں کے لئے یہاں بھی ترقی کے بے شمار مواقع تھے۔ وہ نہ صرف یہاں کامیاب ہوسکتے تھے بلکہ اپنے خاندان اور سوسائٹی کے لئے بھی بہت کچھ کرسکتے تھے۔ اُسے اب پختہ یقین ہو چلا تھا کہ برسوں پہلے اُس کا فیصلہ صحیح نہیں تھا۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہ ہم لوگ جھوٹی شان کیلئے آنے والی زندگی سے اپنی آنکھیں موند لیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ترقی یافتہ مغربی ممالک میں کوالٹی آف لائف ہم سے بہتر ہو لیکن اس کے لئے ہم کیا کچھ کھو دیتے ہیں ہمیں اس کا اندازہ نہیں۔

ایک وہ بھی وقت تھا جب محی الدین ملک چھاتی تان کے ہر کسی سے کہتا پھرتا تھا کہ اُس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے دونوں بیٹے امریکہ میں شاندار زندگی گذار رہے ہیں لیکن آج وہ کمرے میں اکیلا بیٹھا موت کا انتظار کر رہا ہے اور کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا کہ وہ اکیلا ہے بلکہ دوستوں، احباب اور رشتہ داروں کے سامنے جھوٹی شان کو برقرار رکھتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے گویا وہ خوش ہے۔ اُس نے سب کو یہ تاثر دیا تھا کہ بیٹوں کے اصرار کے باوجود وہ امریکہ نہیں جانا چاہتا بلکہ یہاں اکیلا رہنا چاہتا ہے اور وہ اس زندگی سے مطمئن ہے۔

چند سال گذر گئے اور اس دوران دونوں بیٹے ایک ایک کر کے باپ سے ملنے بھی آئے اور دونوں نے باپ کو ساتھ لے جانے کی گذارش بھی کی پر باپ کسی صورت تیار نہ ہوا کیونکہ اُس کا کہنا تھا کہ اب آخری وقت میں وہ اپنے آبا و اجداد کی زمین، یہ گھر اور رشتہ داروں اور احباب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ محی الدین ملک نے دونوں بیٹوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اُس کا گوشت و پوست اسی سرزمین کا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ اپنی ہی مٹی میں مل جائے۔

کچھ سالوں بعد اُس کا گھریلو ملازم بھی چلا گیا اور اب وہ بالکل اکیلا تھا کچھ رشتے داروں اور دوستوں نے اُسے اپنے گھر لے جانا چاہا لیکن وہ اپنا گھر چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ اب سوائے فجر کی نماز محلے کی مسجد میں پڑھنے کے علاوہ وہ بہت کم گھر سے باہر جاتا تھا۔

کچھ عرصے بعد ایک دن اچانک محلے والوں نے محسوس کیا کہ کچھ دنوں سے محی الدین فجر کی نماز پڑھنے مسجد نہیں آ رہا ہے اس لئے محلے کے ایک بزرگ حاجی محمد سبحان فجر کی نماز کے بعد ایک دن اپنے دو ساتھیوں کو لیکر محی الدین ملک کے گھر پہنچے تا کہ اُسکی خیریت دریافت کی جائے۔ دروازہ بند تھا۔ لاکھ کھٹکھٹانے کے بعد بھی اندر سے کوئی آواز نہیں آئی اور نہ کسی نے دروازہ کھولا۔ حیران و پریشان حاجی سبحان صاحب نے سوچا کہ پولیس کو مطلع کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے دیگر ساتھیوں سے مشورہ کر کے پولیس کو بلوالیا۔ دروازہ توڑا گیا اور اندر محی الدین ملک کو مردہ پایا۔ کمرے میں بدبو پھیل چکی تھی اور لگتا تھا کہ وہ شائد کئی روز پہلے مر چکا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا۔

پولیس نے لاش کا پوسٹ مارٹم کروانے کے بعد لاش محلے والوں کے حوالے کی جنہوں نے تمام لوازمات کے بعد اُسے محلے کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ پھر حاجی سبحان نے محی الدین کے گھر سے اُسکے بیٹوں کے ٹیلیفوں نمبرات حاصل کئے اور اُنہیں فون پہ والد کی موت کی خبر دی۔ دونوں نے کہا کہ اب چونکہ والد صاحب فوت ہو چکے ہیں اور اُن کا جسد خاکی دفن بھی کیا جا چکا ہے اس لئے اب اُن کے آنے کا کوئی مقصد نہیں۔ ہاں البتہ دونوں بیٹوں نے کہا کہ وہ حاجی سبحان صاحب اور محلے والوں کے مشکور ہیں جنہوں نے اُنکی غیر موجودگی میں یہ فریضہ انجام دیا۔ بڑے لڑکے ڈاکٹر معراج الدین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ گھر کو مقفل کر کے چابی والد صاحب کے دوست شوکت صاحب کے حوالے کر دیجئے گا جو خود آ کے آپ سے چابی لے لیں گے۔ اور ہاں والد صاحب کی تجہیز و تکفین پہ جو خرچہ آیا ہے مہربانی کر کے ہمیں مطلع کیجئے تا کہ ہم پیسے بھیج دیں۔ باقی گھر کی دیگر چیزوں وغیرہ کے بارے میں ہم خود آ کے فیصلہ کریں گے۔

یہ سنتے ہی حاجی سبحان خاموش ہو گئے اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اپنے گھر کی اور چل دیئے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چولھا

راجہ موسی نہ صرف اپنے محلے بلکہ آس پاس کے محلوں میں راج ماسو کے نام سے مشہور تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ میانہ قد، گورا رنگ جو وقت کے ساتھ پیلا پڑ چکا تھا۔ آنکھوں کو دیکھ کے لگتا تھا کہ بڑی اور خوبصورت رہی ہونگی لیکن شاید غربت اور افلاس کے تھپیڑوں نے انہیں سیکٹر دیا تھا۔ بال اب بھی گھنے اور کالے تھے۔ شاید عُمر اُن پہ اثر انداز نہیں ہو پائی تھی۔ خدوخال اور شکل وصورت سے لگتا تھا کہ جوانی میں راج ماسو خوبصورت رہی ہوگی جسے زندگی کی تپش اور غربت کی آنچ نے وقت سے پہلے ہی بوڑھا کر دیا تھا۔ گو چہرے پہ عمر کی لکیریں جھُریاں بن کے اُبھرنا شروع ہو چکی تھیں تاہم اُس میں ایک خاص کشش تھی جو دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچتی تھی اور ممتا کا احساس ہوتا تھا۔

کہتے ہیں راج ماسو کا خاوند پیشے سے ترکھان تھا دو بیٹوں کے بعد لڑکی یعنی تیسرے بچے کی پیدائش کے چند سال بعد ہی اللہ کو پیارا ہو گیا تھا اور بے چاری راج ماسو کے سر پہ تین کمسن بچوں کی پرورش کا بوجھ چھوڑ کے چلا گیا تھا۔ اس لئے اُس کے بچوں کو پڑھائی چھوڑ دینا پڑی اور ماں نے دونوں بیٹوں کو کام پہ لگوا دیا۔ بڑا لڑکا رشید درزی کی دوکان پہ سلائی کا کام سیکھنے بیٹھ گیا اور دوسرا لڑکا رحمانا اپنے چچا کے ساتھ بحیثیت شاگرد ترکھان کا کام کرنے لگا۔ خود راج ماسو نے نہ صرف اپنا پشمینہ کاتنے کا کام جاری رکھا بلکہ اب وہ زیادہ سے زیادہ محنت کرنے لگی تھی تاکہ گھر کو اطمینان بخش طریقے سے چلایا جا سکے۔ اُس زمانے میں ویسے بھی شہروں میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عام غریب گھرالوں کی عورتیں شاہتوس یا پشمینہ کات کے اپنا گذارہ کیا کرتی تھیں۔ بے چاری عورتوں کو کتائی کی معمولی سی اُجرت دی جاتی تھی جبکہ کرایے پہ شاہ توس یا پشمینہ دینے والے دوکاندار اور شال دوشالے بنوا کے بیچنے والے تاجر خوب روپیہ کماتے تھے۔

وقت گذرتا گیا اور بچے جوان ہوگئے۔ راج ماسو کے دونوں بیٹوں نے نہ صرف اپنی بہن کی شادی دھوم دھام سے کی بلکہ ماں نے اچھے گھرانے ڈھونڈ کے بیٹوں کی بھی شادی کر ڈالی۔ اب راج ماسو کے تینوں بچے صاحب اولاد بن چکے تھے اور راج ماسو ماضی کی تلخ یادوں کو پیچھے چھوڑ ہنسی خوشی دن گذار رہی تھی۔ اُسے اب اطمینان تھا کہ مرحوم محمد سلطان یعنی اُس کے خاوند کی رُوح کو سکون مل رہا ہوگا۔

راج ماسو اپنے برتاؤ، طور طریق اور طبیعت کی وجہ سے نہ صرف اپنے محلے بلکہ آس پاس کے محلوں میں بھی خاصی مشہور تھی۔ ہر مرد و زن، چھوٹا بڑا نہ صرف اُس کی عزت کرتا تھا بلکہ اُس کی رائے اور مشورے کو اہم سمجھتے تھے۔ گو وہ چھتہ بل کے ایک چھوٹے سے محلے میں رہتی تھی لیکن چھتہ بل سے صفا کدل تک ہر شخص اُسے جانتا تھا۔ اُس کی شہرت کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ مٹی کا چولھا بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب گھروں میں کھانا مٹی کے چولھوں پہ بنتا تھا۔

چولھا بنانا راج ماسو کا شوق تھا اور وہ اس کی تکنیکی باریکیوں سے بخوبی واقف تھی۔ اُس کے ہاتھ کا بنا ہوا چولھا نہ صرف فنی اعتبار سے اچھا اور خوبصورت سمجھا جاتا تھا بلکہ اکثر لوگ اسے خوش قسمتی سے بھی تعبیر کیا کرتے تھے اور یہ عام تاثر تھا کہ راج ماسو کے بنائے ہوئے چولھے میں برکت ہوتی ہے۔ چونکہ اُن دنوں گیس کے چولھے نایاب تھے اور مٹی کے تیل کے سٹوو شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتے تھے کیونکہ مٹی کا تیل آسانی سے دستیاب نہیں تھا۔ رہا سوال بجلی کے ہیٹرس کا تو بجلی کا پھیلاؤ محدود تھا کیونکہ اس کی پیداوار کم تھی۔ اس لئے گھروں میں روٹی پکانے کا ذریعہ صرف مٹی کا چولھا ہی تھا۔ جس میں لکڑی، سوکھا گوبر اور سوکھے پتے، ٹہنیاں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ایندھن کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

محلے والے یا آس پاس کے لوگ راج ماسو کو چولھا بنانے کے لئے اپنے گھر لے جایا کرتے تھے اور وہ دو ایک دن میں چولھا بنا کے واپس آجاتی تھی۔ وہ چولھا بغیر کسی اُجرت کے بناتی تھی کیونکہ یہ اُس کا پیشہ نہیں بلکہ محض شوق تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ چُولھے سے گھر کی روٹی اور کھانے کا تعلق ہے اسلئے اس کے بنانے میں اُجرت لینا حرام ہے۔ راج ماسو کا کہنا تھا کہ اُس نے یہ فن اپنی ماں سے سیکھا تھا اور ماں کی نصیحت تھی کہ چولھا بنانے کی اُجرت کبھی نہ لینا ورنہ فن میں کمزوری آجائے گی۔

چولھا بنانے کے لئے وہ خاص قسم کی لیس دار مٹی منگواتی پھر اُس میں پٹ سن یا شالی کی گھاس کے چھوٹے چھوٹے ریشے پانی کے ساتھ ملا کے گوندھتی۔ جب مٹی اچھی طرح گندھ جاتی تو پھر چولھے کے سائیز کے مطابق صلیب کی شکل کا کراس بنایا جاتا۔ عام طور پہ صلیب کا سائیز ڈیڑھ فٹ لمبائی اور دونوں بازو ملا کے سامنے کی لمبائی بھی تقریباً ڈیڑھ فٹ ہوتی تھی۔ بازوؤں اور دھڑ کی چوڑائی ڈھائی انچ اور موٹائی قریباً ایک انچ ہوتی تھی۔ اس صلیب کو دھوپ میں اچھی طرح سُکھایا جاتا تھا۔ کچی یا پکی اینٹوں سے چولھا بنا کے اس سوکھی صلیب کو تقریباً ایک فُٹ کی اونچائی پہ اینٹوں پہ اس طرح بٹھا دیا جاتا تھا کہ بازو چولھا بنانے والے کے متوازی ہوں اور دھڑ عمودی۔ دراصل سُوکھا صلیب ایک کراس بیم کا کام دیتا تھا۔ صلیب کے عین بیچ سامنے نیچے گول دہانہ بنایا جاتا تھا تاکہ وہیں سے ایندھن جلایا جائے۔ لمبے دھڑ کے دونوں جانب اُوپر کی طرف کھلتے ہوئے دو دہانے بنائے جاتے تھے۔ ان دونوں دہانوں کا میل براہِ راست اندر سے سامنے والے دہانے سے ہوتا تھا۔

اُوپر کی طرف کھلتے ہوئے دونوں دہانوں کے کناروں پہ تھوڑی تھوڑی دوری پہ تین تین یا چار چار مضبوط اُٹھانیں بنادی جاتی تھیں تاکہ سوکھنے کے بعد پکانے والا برتن ان پہ اسطرح رکھا جاسکے تاکہ آگ کے شعلوں کو ان اُٹھانوں کی بیچ کی گلیوں میں سے باہر لپکنے میں آسانی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو۔

عام طور پہ اس بڑے چولھے کے بغل میں ایک دہانے والا چھوٹا چولھا بھی بنایا جاتا تھا۔ یہ چھوٹا چولھا اُس صورت میں استعمال ہوتا تھا جب ایک ہی پکوان بنانا ہو۔ اس طرح ایندھن کی بھی بچت ہوتی تھی۔ پورے چولھے کو ایک خاص قسم کی مٹی سے لپائی کی جاتی تھی اور یہ عمل چولھا بن کے استعمال ہونے کے بعد بھی ہر دو ایک دن کے بعد دہرایا جاتا تھا۔

چولھے کے بالکل اُوپر چمنی ہوتی تھی تاکہ دھواں اس میں سے ہو کے باہر ہوا میں تحلیل ہو جائے۔ اکثر چولھے کے پیچھے والے حصے میں غسل خانہ بنایا جاتا تھا جس میں مٹی یا تانبے کی ایک بڑی دیگ اینٹوں میں اس طرح چنوادی جاتی تھی کہ اس میں نیچے لگا نل اینٹوں کی دیوار سے غسل خانے کی طرف نکلتا تھا۔ چولھے کے سامنے والے بڑے دہانے کے عین پیچھے اندر سے ایک یا دو چھوٹے چھوٹے سُوراخ اسطرح بنا دیئے جاتے تھے تاکہ یہ چولھے کے پیچھے والی دیوار اور غسل خانے کی دیوار کے بیچوں بیچ تانبے کی دیگ سے جا ملتے تھے۔ جونہی چولھا جلایا جاتا تھا دیگ کا پانی اس کی آنچ سے گرم ہو جاتا تھا اور نل کے ذریعے غسل خانے میں استعمال ہو سکتا تھا۔ آج کل بھی اکثر لوگ یہ دیگ جسے عرف عام میں 'دمٹی' کہا جاتا ہے گھروں میں کسی ایک غسل خانے میں لگواتے ہیں لیکن چولھے کی عدم موجودگی میں اب پانی، بوئیلرز سے گرم کیا جاتا ہے جو عام طور پہ غیر معیاری ہوتے ہیں۔

مٹی کے چولھے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ محلے میں خصوصاً چولھا صرف ایک یا دو گھروں میں جلایا جاتا تھا اور باقی گھرانے ان جلائے ہوئے چولھوں سے دہکتے انگارے یا جلتی لکڑی مانگ کے اپنے گھر کا چولھا جلایا کرتے تھے۔ بیس یا پچیس گھروں والے محلے میں محض ایک یا دو دیا سلائیوں سے سب کے چولھے جل اُٹھتے تھے۔ مزید آگ یا انگارے لینے یا مانگ کے لے جانے سے ایکدوسرے کے گھر کی خیریت کا پتہ بھی چلتا تھا۔

وقت گذرتا گیا اور راج ماسو کے ساتھ ساتھ اب مٹی کا چولھا بھی بوڑھا اور ضعیف ہوتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گیا اور اپنی آخری سانسیں گننے لگا۔ لوگوں نے اب سٹوو، ہیٹر اور گیس کے چولھوں کا استعمال شروع کر دیا تھا اور چولھا بالعموم تقریباً ہر جگہ اور بالخصوص شہروں میں لکڑی کی عدم دستیابی اور مہنگائی کے باعث سِسک سِسک کے دم توڑنے لگا۔

گوراج ماسو اب خاصی بوڑھی اور ضعیف ہو چکی تھی لیکن پھر بھی دو ایک مہینے میں کہیں نا کہیں سے ایک آدھ چولھا بنانے کی فرمائش آ ہی جاتی تھی اور اُس کے لئے انکار کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

پھر ایسا ہوا کہ اچانک راج ماسو نے چولھا بنانا چھوڑ دیا اور لاکھ کوشش کے باوجود اُس نے ایک نہ مانی۔ گھر والے اور سب لوگ پریشان تھے کہ بھلا ایسا کیا ہوا ہے کہ اُس نے اس شوق سے کنارہ کشی کر لی ہے جو نہ صرف اُس کا passion تھا بلکہ وہ اسے عبادت کا درجہ دیتی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب راج ماسو غلام احمد ٹھٹھیار عرف عمہ ٹھانٹھر کے گھر کسی تقریب کے سلسلے میں گئی تو اُس نے اپنے بنائے ہوئے چولھے کو غائب پایا اور اُس کی جگہ پہ اُس نے ماربل پتھر کے بنے ہوئے کاونٹر پر گیس چولھا رکھا ہوا پایا پھر اور دیگر گھروں میں بھی اُس نے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے مٹی کے چولھے منہدم اور غائب پائے اور اُن کی جگہ بجلی کے ہیٹر، سٹوو اور گیس کے چولھے دیکھے تو وہ مایوس ہو گئی کیونکہ اُس نے بڑی محنت، مشقت اور عبادت سے ان چولھوں کو بنایا تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ اب لکڑی اور ایندھن تقریباً نایاب ہیں اور کہیں اگر دستیاب بھی ہیں تو عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں اس لئے ان روایتی چولھوں کو بدلنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

راج ماسو کا کہنا تھا کہ اگر ہم نے ایندھن کے لئے درخت کاٹے تو اور کیوں نہ لگائے؟ آخر زمین نے درخت اُگانے سے انکار تو نہ کیا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ ایک نہ ایک دن گیس اور مٹی کا تیل بھی نایاب اور مہنگا ہو جائیگا پھر ہم کب تک چوری کی بجلی سے ہیٹروں پہ کھانا بناتے رہیں گے۔ ایک نہ ایک دن ہمیں پھر سے مٹی کا چولھا بنانا ہی پڑے گا۔ ❁❁❁

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پُکار

کوئی مجھے زور زور سے آوازیں دے رہا تھا۔ بہت اونچی آواز میں میرا نام لے کے پکار رہا تھا۔ میں غنودگی کے عالم میں پکارتی آواز کی سمت بھاگتا جا رہا تھا۔ میں پریشان تھا کہ بھلا یہ آواز کس کی ہے؟ کون مجھے پُکار رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی اپنا خاص شخص ہو جو کسی انجانی مشکل میں ہو اور مجھ سے مدد چاہتا ہو یا پھر کوئی ایسا جاننے والا ہو جو مجھے کوئی خاص بات بتانا چاہتا ہو یا کچھ دکھانا چاہتا ہو۔ میں پریشانی کے عالم میں اس انجانی آواز کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ ایک عجیب سی مقناطیسی کشش تھی اس آواز میں۔ میں سوچے سمجھے بنا ہی آواز کی جانب کھنچتا چلا جا رہا تھا۔

کبھی کبھی محسوس ہونے لگتا کہ آواز قریب ہوتی جا رہی ہے اور میں اُس تک پہنچنے والا ہوں جیسے کوئی بہت قریب سے پکار رہا ہو۔ پھر دوسرے ہی لمحے آواز دُور ہونا شروع ہو جاتی ہے اور لگتا ہے کہ مزید دُور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ دُور بہت دُور۔ بس موہوم سی آواز اب کانوں تک آ رہی ہے۔ اپنا نام بھی اب پوری طرح سنائی نہیں دے رہا ہے اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ اب شاید یہ آواز آنا بند ہو جائیگی۔ میں اب بھاگنا بند ہی کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کیا، آواز پھر سے آنا شروع ہوگئی اور بتدریج بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اب پھر سے میں اپنا نام پوری طرح سُن رہا ہوں۔ صاف لگ رہا ہے کوئی مجھے اپنی طرف بُلا رہا ہے۔ میں نے پھر سے غیر ارادی طور پہ اس آواز کی سمت بھاگنا شروع کر دیا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اچانک مجھے ہوش آ گیا اور میں نے اپنے آپ کو ایک وسیع و عریض میدان میں پایا جہاں لوگوں کا ایک جم غفیر ہے۔ عجیب و غریب لوگ۔ مرد و زن، بچے بوڑھے اور جوان۔ مختلف رنگوں اور نسلوں کے لوگ جو قسم قسم کی بولیاں بول رہے تھے۔ لیکن سب دوڑ رہے تھے۔ بھاگ رہے تھے۔ میں کسی سے کچھ پوچھ بھی نہ پایا کیونکہ لگا سب کے رنگ و نسل اور زبانیں مختلف تھیں۔ اور ویسے بھی اس بھاگ دوڑ میں کسی کو کسی سے پوچھنے کی فرصت بھی نہیں تھی۔ لگتا تھا کہ اگر کوئی جانا پہچانا چہرہ مل بھی جائے تو پوچھ تاچھ میں آواز کھو کے رہ جائے گی اور شاید ساری محنت ضائع ہو جائے اور مجھ سے آواز کی سمت چھوٹ جائے۔

میں تو ہر حالت میں پکارتی آواز تک پہنچنا چاہتا تھا حالانکہ بھاگتے بھاگتے میں لوگوں کے شور و غل اور ہنگامے میں کئی بار آواز کی سمت کھو بھی گیا اور غلط ڈائریکشن میں بھاگنے لگا تھا لیکن پھر سنبھل گیا اور واپس آواز کی سمت میں دوڑنے لگا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ آخر یہ کون ہے جو مجھے پکار رہا ہے؟ اور کیوں پکار رہا ہے؟ آخر اُسے میری کیا ضرورت ہے؟ لوگوں کے اس اژدہام میں اور ایسی ہڑبڑاہٹ میں بھلا کسی سے کیا اور کیسے پوچھا جائے۔ اب صرف ایک اُمید تھی کہ لوگوں کے اس جم غفیر میں شاید کوئی واقف نکل آئے جس سے پوچھ کے میں آواز کا راز جان سکوں۔

کون جانے یہ سب لوگ کب سے اور کس کی تلاش میں بھاگ رہے تھے۔ اب تو میں بھی ان لوگوں کے اس سمندر میں پھنس چکا تھا مگر یہ لوگ یہاں کیوں تھے؟ معلوم نہیں انہیں بھاگتے دوڑتے کتنا وقت بیت چکا تھا کچھ اندازہ نہیں۔ گھڑی کی غیر موجودگی میں وقت کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کیونکہ وقت کا تعین دن اور رات کے گذرنے سے ہوتا ہے یا بھوک اور پیاس سے ہوتا ہے لیکن یہ دونوں کیفیتیں یہاں غائب تھیں۔ یہاں تو صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ روشنی کا تو نام و نشان نہیں۔ دن کا سورج ابھی تک نہیں دیکھا۔ ہر کوئی بس اندازے سے آوازوں کی سمت میں بھاگ رہا ہے۔ بھوک اور پیاس کا احساس سرے ہی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے ختم ہے جیسے یہ دونوں صفتیں ذہن سے کاٹ دی گئی ہوں۔ میں نے ابھی تک یہاں کسی کو کھاتے پیتے، بیٹھتے یا سوتے نہیں دیکھا۔ اپنا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ بس ہر کوئی بھاگے جارہا ہے۔ جانے کس کے لئے اور کیوں؟ ہوسکتا ہے ان لوگوں کی بھاگ دوڑ کا کوئی اور ہی مقصد ہو یا یہ کسی اور تلاش میں ہوں یا پھر یہ سب لوگ یہاں یونہی تفریحاً جمع ہوئے ہوں۔ لیکن میں تو بس آواز کو ڈھونڈھ رہا ہوں۔ ایک ایسی آواز جس میں حکم ہے، پیار ہے، خلوص ہے، التجا ہے، فریاد ہے، پیغام ہے، تنبہ ہے، بے پناہ کشش ہے کہ بنا سوچے سمجھے میں اس آواز کی جانب کھنچا چلا جارہا ہوں ورنہ میں یہاں تک کیوں آیا ہوں؟

لگتا ہے یہاں شاید یادداشت کی حِس نہیں مگر سوچ کی حس کسی حد تک قائم ہے۔ لمحہ بھر کیلئے مجھے خیال آیا کہ کہیں ہم کسی دوسرے سیارے پر تو نہیں جہاں صرف رات ہی رات ہو، جہاں بھوک اور پیاس کا احساس نہ ہو، جہاں آپ کو اپنے سوا کوئی اور یاد نہ ہو۔ مگر یہاں لوگوں کی شکل وشباہت تو بالکل اپنے جیسی تھی اور پھر میرا نام بھی تو بالکل صحیح طریقے سے پکارا جارہا ہے۔ میں نے سوچا کسی سے پوچھنے کے بعد ہی اس جگہ اور یہاں پہنچنے کی اصل وجہ معلوم ہوسکے گی۔ میں نے بہت سے لوگوں کو روک کے پوچھنا چاہا لیکن ہر کوئی یا تو میرا سوال سنتا ہی نہیں تھا یا میری زبان سمجھتا نہیں تھا یا پھر محض جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

اب میرے سامنے چند سوال تھے۔ ایک تو یہ کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ دوسرا یہ کہ بھلا مجھے کون اور کیوں پکار رہا ہے؟ تیسرا یہ کہ یہ سب لوگ کیوں بھاگ رہے ہیں اور کہاں جارہے ہیں؟

آخر تھک ہار کے میں بیٹھ گیا تاکہ ستانے کے ساتھ ساتھ میں پکارتی آواز کا راز جان سکوں اور اس کی سمت کا تعین کرسکوں۔ بیٹھتے ہی مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ میں سوچنے لگا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ اس آواز کے پیچھے بھاگا یہاں تک کیوں آیا ہوں؟ یہ میدان اور لوگوں کا یہ اژدہام کیا ہے؟ لیکن لاکھ سوچنے کے باوجود مجھے ان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سوالوں کا جواب مل نہیں پا رہا تھا۔

اچانک لوگوں کے اس ہجوم میں سے کسی نے رُک کے میرے شانے تھپتھپائے اور میں نے دیکھا کوئی انجانی صورت میرے سامنے کھڑی ہے۔ اُس نے میری ہی زبان میں مجھ سے پوچھا ''اے اجنبی تم تھک کے بیٹھ کیوں گئے ہو؟ یہاں تو ہر کوئی دوڑ رہا ہے، بھاگ رہا ہے۔ اور ہاں تم یہاں کیوں آئے ہو؟''۔ میں نے فوراً جوابدیا'' تھک گیا تھا۔ سوچا کچھ دیر ستالوں۔ اجنبی پھر بولا'' یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں کیونکہ اگر تم تھک کے بیٹھ گئے تو اپنی منزل کھو جاوگے۔ اُٹھو، دوڑو۔ جس مقصد کیلئے یہاں تک آئے ہو، اُسے ڈھونڈو، تلاش کرو'۔ میں نے وجہ بتاتے ہوئے پھر کہا۔ ''اے میرے ہمدرد میں یہاں خود نہیں آیا بلکہ ایک غیبی آواز مجھے یہاں تک لے آئی ہے۔ وہ چلا چلا کے میرا نام پکار رہی تھی اور میں اُسی کی تلاش میں بھاگا بھاگا یہاں تک آیا ہوں۔ تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کس لئے آئے ہو؟'' اجنبی کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''اُٹھو، بھاگو۔ تم سمجھو کہ یہ آواز محض منزل تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ خود منزل نہیں۔ ویسے میں بھی ایک ایسی ہی آواز کے پیچھے بھاگا بھاگا یہاں تک آیا ہوں۔ وہ آواز میرا نام بھی زور زور سے پکار رہی تھی۔ میں آج تک اُس آواز کی جانب دوڑ رہا ہوں لیکن اُسے پا نہیں سکا۔ میں نے یہاں بہت سے لوگوں سے پوچھا اور اُن سے یہاں آنے اور بھاگنے کی وجہ جاننا چاہی لیکن پتہ چلا کہ یہاں ہر کوئی کسی نا کسی آواز کے پیچھے بھاگا بھاگا یہاں تک آیا ہے اور ہر کوئی اپنا نام پکارتی آواز کے پیچھے دوڑ رہا ہے لیکن کسی کو ابھی تک پُکارنے والا نہیں ملا ہے۔''

❁❁❁

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

معزز شہری

میں نے پہلی بار اُسے اُس دن دیکھا تھا جب وہ کچرے سے بھرا تھیلہ میرے گھر کے گیٹ کے سامنے اُنڈیل رہا تھا کیونکہ میرا گھر مین روڈ پہ واقع ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ جھیپ گیا اور شائد وہ کچرے کا تھیلہ لیکر واپس لوٹ جاتا مگر وہ اس عمل سے فارغ ہو چکا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کے لئے وہ میری طرف دیکھ کے مسکرا دیا۔ میں نے بھی نہ چاہتے ہوئے غیر ارادی طور پہ مسکراہٹ کا جواب مسکرا کے دیا۔

میں اُس دن اُس کی حرکت پہ نہ جانے اعتراض بھی نہ کر پایا حالانکہ میونسپلٹی کا بڑا ڈسٹبن محض سوفٹ کی دوری پہ تھا اور کچرہ وہاں پھینکا جا سکتا تھا مگر نہ جانے ان حضرت نے میرے ہی گھر کا انتخاب کیوں کیا تھا؟ شاید انہی کی دیکھا دیکھی اب محلے کے کچھ دوسرے لوگ بھی گھر کا کوڑا کرکٹ میرے گیٹ کے سامنے پھینکنے لگے ہیں اور میں آج تک محلے والوں کی اس حرکت پہ اعتراض نہیں کر پایا ہوں۔

دوسری بار میں نے اُسے اُس دن دیکھا جب وہ اپنی سکارپیو ویگن یازار میں سڑک کے بیچ کھڑی کر کے کسی دوکان سے کچھ خرید رہا تھا۔ بھرے بازار میں اُس کی غلط پارکنگ کی وجہ سے پورا ٹریفک جام ہو گیا تھا۔ لیکن وہ حضرت ٹس سے مس نہیں ہوئے بلکہ اپنا کام پورا کر کے ہی گاڑی وہاں سے نکال لے گیا۔ اُس پہ لوگوں کی تکرار، شور شرابے کا ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا۔ وہ گاڑی ہٹاتے وقت مشتعل لوگوں کی طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہاں سے گاڑی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نکال کے اُس نے اُن پہ کوئی احسان کیا ہو۔

تیسری بار میں نے مہاراجہ بازار میں سے جاتے ہوئے دیکھا کہ وہ غلط سمت سے امیرا کدل جا رہا تھا۔ حالانکہ مہاراجہ بازار کا راستہ ون وے ہے اور آپ صرف امیرا کدل سے ناز سیما کراسنگ کی طرف آسکتے ہیں مگر یہ حضرت ناز کراسنگ سے امیرا کدل کی جانب جا رہے تھے۔ غلط سائیڈ سے جانے کے باوجود جگہ جگہ صحیح چلنے والوں سے بحث وتکرار کئے جا رہے تھے۔ جونہی اُس کی نظریں مجھ سے ملیں تو وہ حسبِ دستور مسکرا دیا اور میں بھی، یہ جانتے ہوئے کہ وہ غلط سمت سے آرہا ہے، بادلِ نخواستہ مسکرا دیا اور اپنی ماروتی 800 کو بالکل ایک کنارے لے گیا تا کہ وہ اپنی سکار پیو نکال سکے۔

وقت گذرتا گیا اور میں بھی اس اجنبی شخص کو یکسر بھول گیا۔ مگر پھر بھی ذہن کے کسی گوشے میں یہ اُمید تھی کہ وہ کسی نہ کسی موڑ پہ ضرور ملے گا۔ چونکہ وہ کچرا پھینکنے میرے گھر کے باہر آیا تھا اس لئے شاید وہ اپنے ہی محلے کا مسکین ہے۔ یا تو کہیں کرایے دار ہے یا پھر نیا نیا مکان خریدا ہے کیونکہ اگر میرے محلے کا مستقل رہنے والا ہوتا تو اُس سے ضرور جان پہچان ہوگئی ہوتی۔

کچھ عرصے بعد میں رات کے آٹھ بجے اپنی ماروتی 800 میں ایک دوست کے بیٹے کی شادی میں شرکت کی غرض سے گھر سے نکلا۔ اندھیرا تھا اس لئے گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن تھیں لیکن راستے میں گاڑی چلانا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ سامنے سے آنے والی بیشتر گاڑیاں حسب معمول اور حسب دستور اپنی ہیڈ لائٹس ہائی بیم پہ رکھ کے آرہی تھیں اور آنکھوں پہ پڑتی ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں حالانکہ ہائی بیم پہ ہیڈ لائیٹس رکھ کے رات کو گاڑی چلانا ٹریفک قوانین کے خلاف ہے لیکن لوگوں کو کون سمجھائے کیونکہ سمجھانے والے حضرات یعنی ٹریفک پولیس والے بھی شاید اس قانون سے ناواقف ہیں۔ میں جب بھی رات کے اندھیرے میں گاڑی چلاتا ہوں تو اکثر اس دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گاڑی کو روک کے سامنے سے ہائی بیم پہ آنے والی گاڑیوں کو گذرنے دیتا ہوں۔ حسبِ معمول سامنے سے آنکھیں چندھیا دینے والی گاڑیاں گذر رہی تھیں اور میں رُک رُک کے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک ایسی ہی گاڑی جب سامنے سے گذری اور مجھے ایک کنارے پہ کھڑا دیکھ کے رُک گئی اور اپنی گاڑی کی کھڑکی کا شیشہ اُتار کے اس نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور اشارتاً میرے کھڑا رہنے کا سبب پوچھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو یہ وہی اجنبی چہرہ تھا اور میں نے بھی ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا کہ سب ٹھیک ہے شکریہ۔ یہ وہی حضرت تھے جن سے ہر بار غلط موڑ پہ مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ میں اُس سے کہہ سکتا تھا کہ جناب آپ اپنی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس ہائی بیم پہ رکھ کے چل رہے ہو اس لئے اس چکا چوند روشنی میں گاڑی چلا نہیں پایا اور رُکنا پڑا۔ مگر نہ جانے میں یہ سب کہہ نہیں پایا۔ مجھے لگا کہ یہ اجنبی شخص نہ صرف سماجی اصولوں سے عاری ہے بلکہ قانون شکن بھی ہے۔

ویسے تو عام طور پہ قانون شکن یا سماجی اصولوں سے منحرف لوگ اکثر کسی نہ کسی موڑ پہ مل جاتے ہیں کیونکہ اپنے شہر میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ یہاں لوگ ٹریفک لائیٹس میں لال بتی کے جلتے ہوئے بھی گاڑی نکال لیتے ہیں، ٹیلیفون یا بجلی فیس وغیرہ کے دینے والوں کی قطار کے باوجود باہر سے غیر اخلاقی طریقے سے سب کو نظر انداز کر کے آگے نکل جاتے ہیں، گاڑیوں کی ٹریفک قانون کے مطابق اپنی اپنی لین میں چلنے کے باوجود دائیں یا بائیں سے اوور ٹیک کر کے اپنی گاڑی آگے نکال لیتے ہیں اور اُن کی تقلید میں دوسرے گاڑی والے بھی یہی کچھ کرتے ہیں اور نتیجہ 'ٹریفک جام'۔ کچھ لوگ کاروں اور بسوں میں بیٹھے بیٹھے میووں کے چھلکے یا سگریٹ ڈبیاں، سگریٹ بٹ سڑکوں پہ پھینک دیتے ہیں۔ اب تو کولڈ ڈرنکس کے ڈبے، پانی کی خالی پلاسٹک بوتلیں اور لفافے بھی لوگ سڑکوں پہ پھینک دیتے ہیں۔ غرضیکہ لوگ ہر پھینکنے، والی چیز کو بڑے فخر سے سڑکوں پہ پھینک دیتے ہیں۔ دُکھ تو یہ ہے کہ اس حرکت میں لوگوں کا پڑھا لکھا طبقہ بھی شامل ہے۔ اور تو اور اکثر دوکاندار حضرات بھرے بازاروں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اپنی دوکانوں کے سامنے پندرہ بیس فٹ حصے پہ ایسے قبضہ جما لیتے ہیں جیسے سرکار نے دوکان کے سامنے کا ایریا اُنہیں مفت میں عطا کر دیا ہو۔ وہ خود تو اس حصے کو اپنی چیزیں سجا کے استعمال کر لیتے ہیں لیکن وہاں کسی کو گاڑی یا سکوٹر کھڑا کرنے نہیں دیتے۔ اور تو اور جہاں دوکاندار قدرے شریف ہو اور دوکان کے آگے کی جگہ کھلی چھوڑ دے وہاں تھری ویلر والے حضرات اپنا سٹینڈ بنا لیتے ہیں۔ خدا جانے یہ سب کن محکموں کی سرپرستی میں اور زیرِ سایہ ہوتا ہے؟

لگتا ہے ایسے لوگ یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اُنہیں لگتا ہے کہ قانون، اصول یا قواعد کو توڑ کے وہ اپنی قوم پہ بہت بڑا احسان کرتے ہیں کیونکہ بقول کچھ حضرات کے وہ حکومت وقت سے اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہیں مگر وہ شائد یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ایسا کرنے سے نہ صرف اپنی قوم کا نقصان ہوتا ہے بلکہ دنیا میں اپنی اور اپنی قوم کی بے عزتی ہوتی ہے۔

دراصل میرا مقصد کسی پہ اُنگلی اُٹھانا نہیں ہے بلکہ صرف اپنی قوم کی چند کوتاہیوں کی نشاندہی ہے۔ ایسے میں بھلا میں اُس اجنبی کو کیسے بھول سکتا ہوں جو ایسی بہت سی خصوصیات اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی کہئے کہ ہر بار اُس سے مُڈبھیڑ ایسے وقت میں ہوتی ہے جب وہ حضرت کسی قانون یا اُصول کی دھجیاں اُڑا رہے ہوں۔ اب چونکہ کئی مہینوں سے اس سے ملاقات نہیں ہو پائی اس لئے میں کسی حد تک اُسے بھول چکا ہوں مگر جب بھی اُس کی یاد آتی ہے تو میں پھر سے اُس سے ملنے کیلئے بیقرار ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ بزنس مین ہے یا سرکاری ملازم؟ پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ؟ خیر وہ کوئی بھی ہو اُس سے ملنے کی خواہش ضرور ہے۔

آج جب میں حسبِ معمول گھر سے سبزی لانے کیلئے بازار کی اور نکلا تو ساتھ میں بچپن کا دوست راحیل بھی گیٹ کے باہر مل گیا اور میرے ساتھ چل دیا۔ جونہی ہم چوراہے پہ پہنچے تو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹریفک لائیٹس کی لال بتی روشن ہوگئی اور میں رُک گیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے ساتھ والی لین میں اُس اجنبی کو اپنی گاڑی سکارپیو میں دیکھا جو خود گاڑی چلا رہا تھا۔ حسب معمول اُسنے ہاتھ ہلا کے سلام کیا اور مسکرا دیا اور میں نے بھی بادل ناخواستہ ہاتھ ہلا کے سلام کا جواب دیا۔ راحیل نے بھی ہاتھ ہلا کے سلام کا جوابدیا۔ میں ابھی راحیل سے کچھ پوچھنے والا ہی تھا کہ اُن حضرت نے لال بتی روشن ہونے کے باوجود اپنی گاڑی نکال لی اور چلدیئے۔

اب میں نے راحیل سے پوچھا کہ یہ حضرت کون ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ ''اس کا نام شمس الدین ہے۔ بانڈی پور کا رہنے والا ہے اور بہت بڑا تاجر ہے۔ ان کے کئی کاروبار ہیں مثلاً کپڑے کا ہول سیل بزنس، فروٹ کا بزنس اور Real Estate کا کام اور ہاں یہ آپ ہی کے محلے میں بحیثیت کرایہ دار رہ رہا ہے اور اب اپنا مکان خریدنے کی تلاش میں ہے۔''

وقت بھاگتا رہا اور میں پھر شمس الدین کو بھول گیا۔ ایک دن میں، میری فیملی اور بزرگ چچا کمرے میں بیٹھے TV پہ خبروں کا بلٹین دیکھ رہے تھے جس میں گورنر صاحب کی یوم جمہوریہ کے سلسلے میں دی گئی پارٹی کی جھلکیاں بھی دکھائی گئیں۔ پارٹی میں تمام منسٹران، اسمبلی اور کونسل کے ممبران، ہائی کورٹ کے جج صاحبان، ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھنے والے نمائندگان، سینئر سول اور پولیس کے آفیسران وغیرہ شامل تھے۔ اچانک میری نظر شمس الدین پہ پڑی۔ اُسے پارٹی میں دیکھتے ہی میں سناٹے میں آگیا اور سوچنے لگا کہ بھلا یہ حضرت اس پارٹی میں کس حیثیت سے شامل ہیں۔ میں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ گورنر صاحب کی سرکاری پارٹی میں تجارت پیشہ لوگ کس capacity میں شامل ہوتے ہیں؟ تو چچا نے بتایا کہ ایسے لوگ بحیثیت معزز شہری بلائے جاتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کال بیل (Call Bell)

کال بیل (Call bell) زور زور سے بجنے لگی اور حامد ہڑبڑا کے بستر سے اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے بیڈ سوئچ (Bed Switch) دبا کے بتی جلائی تا کہ گھڑی دیکھ کے وقت کا اندازہ کر سکے۔ روشنی ہوتے ہی سامنے دیوار پہ لگی گھڑی کو دیکھا۔ ارے یہ کیا؟ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ اُس نے سوچا بھلا اتنی رات گئے کون دروازے کی گھنٹی بجا سکتا ہے؟ مگر گھنٹی تھی کہ برابر بجے جا رہی تھی۔ اب تو ساتھ میں لیٹی اُس کی بیوی شُہلا بھی گھنٹی کی آواز سُن کے اُٹھ بیٹھی تھی۔ دونوں کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے اور دونوں ڈر کے مارے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ حامد میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ نیچے جا کے دروازہ کھولے اور معلوم کرے کہ کون ہے؟

اُسے یاد آیا کہ چند سال پہلے محلے میں رؤوف صاحب کے گھر بھی آدھی رات کو کسی نے گھنٹی بجائی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی فوجیوں نے اُسے دبوچ لیا تھا اور اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ گھر والوں کے احتجاج اور شور کے باجود آرمی جوانوں نے کسی کی ایک نہ سُنی تھی۔ اب بارہ سال گذرنے کے بعد بھی آج تک رووٗف صاحب کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ زندہ ہے یا مارا گیا ہے۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی آرمی، پولیس اور ہر وابستہ ادارے نے رووٗف صاحب کی گرفتاری کے بارے میں لاتعلقی اور لاعلمی ظاہر کی تھی۔

گھنٹی کی آواز کے ساتھ ساتھ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے دل کے دھڑکنوں کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آواز بھی سن رہے تھے۔ جسم پسینے سے شرابور ہوئے جا رہے تھے پر دونوں کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ حامد اور شہلا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں؟ گھر کا ملازم لڑکا جو نیچے کچن میں سو رہا تھا گھنٹی کی آواز سن کے جاگ ہی نہیں رہا تھا جیسے گھوڑے بیچ کے سو رہا ہو۔ وہ اگر جاگ جاتا تو کم از کم دروازہ کھول کے دیکھتا کہ باہر کون ہے؟ اب اُسے کون جگائے؟ دونوں میاں بیوی کا ڈر کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔

گھنٹی تھی کہ رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ماحول خوفناک اور ڈراونا ہوتا جا رہا تھا۔ حامد اور شہلا کو پرانے ڈراونے قصے یاد آ رہے تھے۔ دراصل انسانی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ اس قسم کی کیفیت میں اکثر ڈراونے اور دل دہلا دینے والے قصے ہی یاد آتے ہیں جن سے ذہن پہ اور بھی دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

ویسے بھی پچھلی دو دہائیوں سے اُن کے شہر کا ماحول بھی ڈراؤنا اور خوفناک ہو گیا تھا۔ ہر آہٹ پہ دل گھبرا اُٹھتا تھا۔ کیونکہ آئے دن اُن کے شہر میں بھیانک وارداتیں رونما ہو رہی تھیں مثلاً کہیں بم پھٹتا تھا تو کہیں گرینیڈ، کبھی مائن بلاسٹ تو کہیں راکٹ۔ کہیں گولیوں کی گھن گرج اور کہیں لوگوں کی چیخ و پکار و آہ و بکا۔ الغرض شہر میں ہر طرف موت کے فرشتے گھوم رہے تھے۔ قبرستان پہ قبرستان بھرے جا رہے تھے۔ نظم و نسق بگڑ چکا تھا۔ عجیب سا دم گھٹنے والا ماحول تھا۔ شاموں کی رنگینیاں ختم ہو چکی تھیں، راتوں کی دلفریبیاں بجھ چکی تھیں، دن کی رونقیں غائب ہو گئی تھیں۔ ہر سو عجیب سی بے چینی اور بے یقینی پھیلی ہوئی تھی اور ایسے ماحول میں آدھی رات کی گھنٹی!

کال بیل کی گھنٹی اب بھی برابر بجے جا رہی تھی۔ اچانک حامد کو خیال آیا کہ بھلا گھنٹی بجانے والا مکان کے مین دروازے تک کیسے پہنچا ہوگا؟ کیونکہ صحن کا مین گیٹ مکان سے کوئی سو فٹ کی دوری پر ہے اور صحن کا گیٹ اُس نے کل رات اچھی طرح بند کیا تھا۔ اُس نے سوچا، لگتا ہے گھنٹی بجانے والا صحن کی دیوار پھلانگ کے اندر آیا ہوگا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈر، خوف اور پریشانی کے اس عالم میں حامد کو پھر اپنے ہی علاقے کا ایک قصہ یاد آیا جب پیچھے گاؤں میں علی جُو معتبر کے گھر بھی آدھی رات کو چند نقاب پوش بندوق بردار دیوار پھلانگ کے اندر داخل ہوئے تھے اور خاصی مزاحمت کے باوجود علی جُو کے اٹھارہ سالہ نوجوان لڑکے کو یہ کہہ کے اپنے ساتھ لے گئے تھے کہ تھوڑی سی پوچھ تاچھ کے بعد اُسے چھوڑ دیں گے لیکن اگلے دن پیچھے کھیتوں میں اُس نوجوان لڑکے کی گولیوں سے چھلنی لاش ملی تھی۔ دس سال گذرنے کے بعد بھی آج تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اُسے کون لوگ لے گئے تھے؟ اور کس گروہ یا تنظیم نے اُسے کس جُرم کی پاداش میں مارا تھا۔

اُس نے کئی بار سوچا کہ فون پہ کسی ہمسایے یا محلے والے کو اس پریشانی سے آگاہ کرے مگر آدھی رات کو اُس نے کسی کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رات کے پچھلے پہر کسی کو پریشان کیا جائے۔

گھر میں صرف حامد شہلا اور ملازم لڑکا راجو ہی تھے۔ کیونکہ لڑکا جہاں زیب اور بیٹی رعنا دونوں باہر تھے۔ بیٹے کو اُس نے اپنی موسی کے پاس امریکہ بھیج دیا تھا اور بیٹی رعنا کو مزید پڑھائی کے لئے دہلی بھیج دیا تھا جہاں وہ ہوسٹل میں رہتی تھی۔ دراصل جب اُنکے شہر کے حالات بگڑ گئے تو حامد اور شہلا نے سوچا بچوں کو یہاں سے نکال کے کسی محفوظ جگہ پہ بھیج دیا جائے۔

اُس نے یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ آدھی رات کو بچوں کو اس پریشانی کے بارے میں مطلع کر کے پریشان کیا جائے۔

شہلا کا تو ڈر کے مارے برا حال ہوا جا رہا تھا اور وہ حامد کو بستر سے ہلنے بھی نہیں دے رہی تھی۔ ایک طرف شہلا کا ڈر اور دوسری طرف مسلسل کال بیل کی دل دہلا دینے والی گھنٹی حامد کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے پھر سوچا کہ کچھ بھی ہو دروازہ تو کھولنا ہی پڑے گا۔ اُس نے بیوی کو دِلاسہ دیا اور سمجھایا تاکہ آنے والے حالات کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اُس نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہمت کر کے شہلا کو سمجھایا۔ ''دیکھو شہلا اگر وہ لوگ مجھے ساتھ لے گئے تو تم جہاں زیب کے پاس یعنی اپنی بہن کے پاس چلی جانا اور گھر کی چابیاں ماموں کے حوالے کر دینا۔ بیٹی رعنا دہلی کے ہوسٹل میں محفوظ ہے۔ زندگی ہوئی تو ضرور تم سے واپس آ کے ملوں گا اور اگر انہوں نے مجھے.....'' شہلا نے حامد کی بات کاٹ دی اور کہا کہ ''آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ اور اگر آپ کو ذرا سی بھی خراش آئی تو میں اپنی جان دیدوں گی۔ میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور شہلا پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

حامد نے پھر بیوی کو دلاسہ دیا۔ ''گھبراؤ نہیں مجھے یقین ہے کہ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ میں ضرور صحیح وسلامت واپس آؤنگا۔''

گھنٹی ایک وقفے کیلئے رکی اور پھر زور زور سے بجنے لگی اور دونوں میاں بیوی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پسینے میں شرابور ہمت کر کے حامد نیچے اُترا۔ پہلے اُس نے گھریلو ملازم راجو کو جگایا جو بے سدھ سویا پڑا تھا۔ دروازہ کھولنے سے پہلے حامد نے زور زور سے پکارا۔ ''ارے بھائی کون ہے؟'' لیکن باہر سے کسی نے جواب نہیں دیا۔

ڈر، وہم اور شک نے پھر حامد کی چٹکی لی۔ حامد کو لگا کہ شاید دروازہ کھلتے ہی کوئی چھپ گیا ہے۔ پر یہ کیا گھنٹی تو اب بھی برابر بجے جا رہی ہے جبکہ کال بیل کے پُش بٹن کے پاس کوئی موجود نہیں۔ حامد نے جھٹکے سے Push button کی تار کو کھینچ کے الگ کر دیا اور بیل بجنا بند ہوگئی۔ مگر احتیاطاً اُس نے مکان کے چاروں طرف گھوم کے یہ یقین کر لیا کہ مکان کے پاس کوئی نہیں ہے۔ صحن کے گیٹ کو بھی جا کے دیکھا جو برابر بند تھا۔ تب جا کے اُسے اطمینان ہوا کہ دراصل یہ گھنٹی پُش بٹن میں فالٹ آنے سے بج رہی تھی۔ شاید رات کو تیز وولٹیج آنے کی وجہ سے بیل کے بجلی تار جُڑ گئے تھے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سلگتی چنگاریاں

چونی لعل مکو اور محمد انور چیراحبہ کدل کے بابا پورہ محلے میں رہتے تھے دونوں ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی سکول میں ہم جماعت بھی تھے۔ پڑھائی میں دونوں اوسط درجے کے طالبعلم تھے۔س

بچپن ہی سے دونوں کی دوستی علاقے میں بے مثال تھی۔ الگ الگ مذاہب سے تعلق رکھنے کے باوجود دونوں ایک دوسرے پہ جان چھڑکتے تھے۔ بہت سے رشتے داروں، دوستوں اور واقف کاروں نے اُنہیں الگ کرنے کی کوشش کی مگر سب کو منہ کی کھانی پڑی۔ ان کی بے مثال دوستی نے مذہب کی دیواریں پھاند کے ان کے گھر والوں کو بھی ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ دونوں گھرانے ایک دوسرے کے تیوہار اور متبرک دن مل جل کے منایا کرتے تھے اور بڑے زور وشور اور شوق سے ان میں شریک ہوتے تھے۔

انور اور چونی گو پڑھائی میں ذرا کمزور تھے مگر کھیل کود میں خاصے ہشیار تھے۔ دونوں ہی محلے اور سکول کی فٹ بال ٹیموں کے اہم کھلاڑی تھے۔

چونی لعل کے گھر والوں کو اس بات کا پورا یقین تھا یہ دونوں پچھلے جنم میں بھائی رہے ہونگے اور بقول اُنکے اس جنم میں اسقدر قربت تبھی ممکن ہے جب پچھلے جنم میں کوئی قریبی رشتہ رہا ہو۔ بہت سے ہندو اور سکھ دوستوں اور واقف کاروں کا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وقت گذرتا گیا اور دونوں نے نہ صرف میٹرک کا امتحان اکٹھے پاس کیا اور ایک ہی کالج میں داخلہ لیا بلکہ ایف اے اور بی۔اے کا امتحان بھی اکٹھے ہی پاس کیا۔ میٹرک میں چونی کے نمبر زیادہ تھے پر بی۔اے کے امتحان میں انور نے میدان مار لیا تھا۔ مگر سب امتحانات میں دونوں ہی سیکنڈ ڈویژن کے درجے کو پار نہیں کر سکے تھے۔ لیکن دونوں پہلے سکول پھر کالج اور بعد میں سٹیٹ کی ٹیموں کے اہم رکن بنے رہے۔ چونی لعل چونکہ ہلکا پھلکا اور پھرتیلا تھا اس لئے سینٹر ہاف کی پوزیشن پہ کھیلتا تھا اور انور ذرا بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے فُل بیک پوزیشن پہ کھیلتا تھا۔ دونوں ہی ریاست کے فٹ بال ٹیم کے اہم کھلاڑی تھے۔

ایک بار تو یہاں تک ہو گیا کہ سٹیٹ کی فٹ بال ٹیم میں چونی لعل تو سلیکٹ ہو گیا مگر انور کو پندرھویں نمبر پہ رکھا گیا اور گیارہ کھلاڑیوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ جیسے ہی لسٹ آوٹ ہوئی چونی نے کھیلنے سے انکار کر دیا اور شرط یہ رکھی کہ اگر انور کو ٹیم میں شامل نہیں کیا گیا تو وہ بھی ٹیم میں شامل نہیں ہوگا۔ چونکہ چونی لعل کے پلّے کا سینٹر ہاف پوزیشن پہ کھیلنے والا کوئی اور کھلاڑی نہیں تھا اس لئے اُسے ٹیم میں رکھنے کے لئے انور کو بھی گیارہ کھلاڑیوں میں شامل کیا گیا۔

دونوں نے اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا اور نا ہی کسی کو اس بارے میں بولنے کا حق دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کا کوئی بھی رشتہ دار یا واقف کار اُن سے اس بارے میں کبھی بھی بات کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر، کالج کے پرنسپل اور دیگر اُستاد تو ان دونوں کی دوستی پہ طنزیہ کیا کرتے ہیں کہ اگر ان دونوں کا جنم ملک کے بٹوارے سے پہلے ہوا ہوتا تو شاید ہندوستان دو قومی نظریے کی بنیاد یہ کبھی تقسیم ہی نہ ہوا ہوتا۔ یونیورسٹی میں پولیٹکل سائنس کے ہیڈ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ان دونوں کی دوستی تو سیکولرازم کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ غرضیکہ ان دونوں کی دوستی کے قصے تو دوستوں، کلاس فیلوز، اُستاد اور ہر جاننے والے کی زبان پہ تھے۔ لوگ تو یہاں تک کہتے تھے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ ایسی دوستی اور ایسا پیار تو صرف کتابوں میں قصے کہانیوں ہی میں پڑھنے کو ملتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم بن گئے تھے اور دونوں نہ صرف اس بات پہ متفق تھے بلکہ تہیہ کر چکے تھے کہ مذہب کو کبھی بھی اپنے رشتے یا دوستی میں حائل نہیں ہونے دینگے۔

یونیورسٹی میں چونی اور انور کی کلاس میں کوئی آٹھ لڑکیاں بھی تھیں جن میں ایک کشمیری پنڈت لڑکی پریرنا بھی تھی جو نہ صرف خوبصورت تھی بلکہ پڑھائی میں بھی خاصی ہونہار تھی۔ وہ ایم۔اے۔Previous پولیٹیکل سائینس میں کلاس کی سب سے لائق طالبعلم تھی۔ کیونکہ ہر بار کلاس ٹیسٹ میں اس کے نمبر سب سے زیادہ ہوتے تھے۔

پریرنا کو احساس تھا کہ چونی اور انور بھی قابل طالبعلم ہیں لیکن دونوں پڑھائی سے زیادہ کھیل کود میں دھیان دیتے ہیں۔ وہ اکثر دونوں کو سمجھاتی کہ پڑھائی زیادہ ضروری ہے اس لئے کھیل کود میں وقت برباد نہ کرو۔ دونوں پہ پریرنا کی باتوں کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا تھا البتہ انور اب نصیحت سے زیادہ پریرنا میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

چونی لعل بھی کچھ کچھ محسوس کرنے لگا تھا کہ انور اب زیادہ تر پریرنا کے قریب رہنے لگا تھا اور اکثر اُسی کی باتیں کرتا تھا مثلاً پریرنا کے بال یہاں کی سب لڑکیوں سے زیادہ گھنے، لمبے اور خوبصورت ہیں، ہنستی ہے تو بہت اچھی لگتی ہے، ہونٹ پتلے اور گلابی ہیں، آنکھیں کالی اور نشے سے بھرپور ہیں، قد لمبا اور جسم نہایت متناسب ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ انور کو پریرنا کی ہر چیز اور ہر ادا خوبصورت لگنے لگی تھی۔ اس لئے چونی کو لگا کہ انور پریرنا کے حسن کے جال میں پوری طرح پھنس چکا ہے۔

پریرنا بھی بہت حد تک انور سے مانوس ہو چکی تھی اس لئے جب بھی کلاس سے فرصت ملتی وہ دوڑی دوڑی انور کے پاس چلی آتی۔ اب وہ دونوں پہروں یونیورسٹی کے باغ میں یا کسی درخت کے نیچے بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ اُن کے پیار کے قصے پوری یونیورسٹی میں مشہور ہو چکے تھے لیکن پھر بھی انور اپنے دل کی بات چونی لعل سے کھل کے نہیں کہہ سکا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آخر ایک دن چونی نے ہمت کر کے انور سے کہہ ڈالا کہ ''کہیں تمہارے اور پریرنا کے بڑھتے تعلقات ہم دونوں کے بیچ دیوار نہ بن جائیں کیونکہ بات پھیلتی جارہی ہے اور یہاں میری برادری کے لوگ عجیب عجیب باتیں کر رہے ہیں اور آپ دونوں کے تعلقات کو اچھا نہیں سمجھتے۔ گو میں نے اُن کی ایک نہیں سنی مگر پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ تم کو خبردار کروں۔''

انور نے جواباً چونی سے کہا۔ ''تمہاری اور میری دوستی کو دنیا کی کوئی طاقت الگ نہیں کر سکتی۔ تم تو جانتے ہو آج تک لوگوں نے ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی کتنی کوششیں کیں لیکن سب کو منہ کی کھانی پڑی۔ پریرنا اور میری محبت کبھی ہماری دوستی کے بیچ نہیں آسکتی بلکہ تمہاری دوستی ہی میری محبت کا سہارا ہے۔''

''لیکن کیا پریرنا کے گھر والے تم دونوں کے اس پیار کو قبول کریں گے؟'' چونی لعل نے پھر پوچھا۔

''ہم دونوں نے ایک دوسرے کا ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم بالغ ہیں اسلئے اپنا بھلا برا خود اچھی طرح سوچ سکتے ہیں۔ کوئی ساتھ دیگا تو ٹھیک، نہیں تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ میرے ساتھ چونی ہے، پریرنا ہے بھلا مجھے دوسروں کی کیا پرواہ۔ ہم دونوں نے عدالت میں شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کیا تم ساتھ آو گے؟'' انور نے پوچھا۔ چونی لعل نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد جواب دیا۔ ''نہیں انور میں تمہارے ساتھ عدالت نہیں جاسکتا۔ اگر یہاں حالات بگڑ گئے تو ماحول کو سُدھارنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے میری برادری تم لوگوں کی عدالتی شادی پہ ضرور مشتعل ہو جائیگی۔''

''خیر تمہاری مرضی۔ مگر دوست آشیرواد ضرور دینا''۔ انور نے کہا اور چل دیا۔

اگلے دن سے انور اور پریرنا اور کئی دن تک یونیورسٹی نہیں آئے۔ یونیورسٹی میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ انور اور پریرنا نے عدالت میں شادی رچائی ہے اور دونوں ہی مون کے لئے کسی نامعلوم جگہ پہ چلے گئے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شہر میں جگہ جگہ پریرنا کی برادری کے لوگ ٹولیوں میں جمع ہو کے اس غیر متوقع شادی کا چرچا کر رہے تھے اور بھرپور احتجاج کا پروگرام بنا رہے تھے۔ بڑے گھرانوں میں جب اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہوتا لیکن چھوٹے اور متوسط گھرانوں میں یہ ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔

شہر میں ہر طرف کشمیری پنڈتوں کے جلوس نکلنے لگے جو حکومت سے پریرنا کی واپسی اور انور کو سزا کی مانگ کر رہے تھے۔ دوسری جانب انور اپنے کسی دور کے رشتے دار کے گھر پریرنا کے ساتھ چھُپ کے بیٹھا تھا۔ اُسے اپنے خیر خواہوں سے ہر لمحے اور ہر پل کی خبر مل رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ یہ سوڈا واٹر جوش چند دنوں کے اندر تھم جائے گا۔ حالات سدھر جائیں گے اور وہ پھر سے پریرنا اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ہنسی خوشی دن گذارے گا۔

پھر اچانک ایک دن اُس پہ جیسے بجلی ٹوٹ پڑی جب کسی نے اُس سے کہا کہ اُس کا چہیتا دوست چونی لعل بھی اس احتجاج میں نہ صرف بڑھ چڑھ کے حصہ لے رہا ہے بلکہ اپنی برادری کے لوگوں کو شور شرابے پہ اُکسا رہا ہے۔ اور اس احتجاج کا سرغنہ ہے۔ پہلے پہل تو انور کو لوگوں کی بات پہ یقین نہیں آیا لیکن جب بہت سے لوگوں نے اس بات کی تائید کی تو اُسے یہ سب ماننا پڑا۔

اُسے لگا کہ آخر سیکولرازم پھر کمیونل ازم کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اور اُسے محسوس ہوا کہ مذہب، فرقہ پرستی، ذات پات، اور رنگ و نسل کی چنگاریاں جو بچپن ہی سے ہمارے ذہنوں میں سلگا دی جاتی ہیں وقتی طور پہ حالات کے پیش نظر دب تو جاتی ہیں مگر ذرا سی ہوا لگنے پہ شعلہ بن جاتی ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چیف

سلمان ایک عام معمولی پڑھا لکھا سرکاری ملازم تھا۔ ایک متوسط گھرانے کا فرد جو معمولی تعلیم، محدود وسائل اور اوسط درجے کا ذہن رکھتے ہوئے بھی جو کچھ بن پایا تھا وہ اُس کے لئے بہت تھا۔ اُسے اپنی کوتاہیوں کا پورا احساس تھا اور اُسے معلوم تھا کہ زمانے کے لحاظ سے اُس کی تعلیم و تجربہ آفیسر بننے کیلئے ناکافی تھے پھر بھی وہ جو کچھ بن پایا تھا اُس کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھے۔

لیکن عام لوگوں کی طرح وہ بھی خواب دیکھا کرتا تھا۔ بڑا آفیسر بننے کے خواب۔ سیاست یا تجارت میں تو یہ سب ممکن ہے لیکن کسی ادارے یا محکمے میں رہ کے ایسی بات سوچنا حماقت تھی۔ خیر خواب دیکھنا کوئی بری بات نہیں اور پھر اکثر خواب بھی تو وہی دیکھے جاتے ہیں جو بساط یا دسترس سے باہر ہوں۔ سلمان نے اکثر چیف بننے کے خواب دیکھے تھے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایسا سوچنا حماقت ہے۔ وہ جب بھی اپنے چیف کو چلتے، دفتر آتے یا بات کرتے دیکھتا تو اُس کے ذہن میں گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں اور وہ خیالوں میں گم ہو جاتا اور سوچنے لگتا کہ کاش وہ بھی چیف بن پاتا۔

سلمان کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات بسی ہوئی تھی کہ ہمارے نظام میں قابلیت، تعلیمی معیار، نظم و ضبط وغیرہ کے علاوہ بھی کچھ ایسے حربے ہیں جو اکثر اوقات تمام لازمی خصوصیات سے زیادہ اہم بن جاتے ہیں مثلاً چاپلوسی، ریاکاری، جھوٹ وغیرہ وغیرہ سلمان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نے دیکھا تھا کہ کئی بار کچھ لوگ ان کوتاہیوں کے باوجود چور دروازوں سے داخل ہو کے اچانک محکموں میں براجمان ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگ مخالفت کے باوجود ترقیاں کرتے رہتے ہیں اور اچانک محکموں کے سربراہ بن جاتے ہیں۔ یہ مخصوص طبقہ سرکاری بندشوں سے آزاد ہے کیونکہ یہ لوگ بہتے نالے کی طرح اپنا راستہ خود بناتے ہیں۔ سلمان جان چکا تھا کہ یہ لوگ امتحان پاس کئے بنا ہی مطلوبہ لسٹ میں شامل ہوجاتے ہیں۔ دراصل چاپلوسی، ریاکاری اور خاندانی و سیاسی گٹھ جوڑ کے باعث یہ حضرات حکومتِ وقت سے ایسے ایسے احکامات صادر کرواتے ہیں کہ ان کا چور دروازے سے داخل ہونا آسان ہوجاتا ہے۔

گوکہ سلمان کسی بھی لحاظ سے کسی ایسے طبقے سے جُڑا ہوا نہیں تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ کچھ مخصوص لوگوں کی صحبت میں وہ چاپلوسی، جھوٹ، چمچہ گیری اور ریاکاری میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔ اپنی کوتاہیوں کو اکثر انہی خوبیوں سے پورا کرلیا کرتا تھا۔ اس لئے وہ اپنی نوکری کے زینے بہ آسانی طے کرتا گیا اور اب وہ ایسے مقام پہ آپہنچا تھا جہاں اُس کے لئے چیف بننا زیادہ دور نہیں تھا لیکن وہ پھر بھی خائف تھا کیونکہ چیف کے عہدے تک پہنچنے کیلئے ان سب خوبیوں کے علاوہ مخصوص تعلیمی قابلیت کی بھی ضرورت تھی جس سے وہ نہ صرف محروم تھا بلکہ اسے حاصل کرنا اُس کی دسترس سے باہر تھا۔ مگر ایک اہم قانونی فیصلے نے سلمان کی بجھتی خواہش میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اُسے پتہ چلا کہ کسی رشید صاحب جو ایک محکمے میں ڈپٹی ڈائریکٹر تھے، کو حکومت نے ڈائریکٹر بننے سے روک دیا تھا کیونکہ رشید صاحب کے پاس ڈائریکٹر بننے کیلئے مطلوبہ تعلیمی ڈگری نہیں تھی مگر جب رشید صاحب نے عدالت عالیہ سے رجوع کیا تو عدالت نے فیصلہ رشید صاحب کے حق میں دیا اور دلیل یہ پیش کی گئی کہ جب وہ ڈپٹی ڈائریکٹر بنے تھے تب بھی مخصوص تعلیمی قابلیت کی ضرورت تھی مگر حکومت وقت نے اعتراض نہیں کیا اور وہ کئی سال سے ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے کو بخوبی نبھاتے رہے اس لئے رشید صاحب کے ڈائریکٹر بننے میں حکومت کا اعتراض جائز نہیں ہے۔ اس فیصلے نے سلمان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے چیف بننے کے راستے ہموار کر دیئے۔

سلمان جانتا تھا کہ پچھلے کئی سالوں سے اُس نے اسسٹنٹ چیف اور ڈپٹی چیف کے عہدے اپنے P.A کی بدولت خوش اسلوبی سے نبھائے ہیں اس لئے اُس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر حکومت عدالتی فیصلے کے پیش نظر اُس کی درخواست مان لے تو وہ آسانی سے چیف بن سکتا ہے اور اس عہدے کی لوازمات کو نبھانے کے لئے وہ اپنے P.A کو ساتھ ہی رکھے گا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ہمارے یہاں بڑے عہدوں پہ فائز اکثر لوگوں کے کام کلرک یا P.A ہی کرتے ہیں اور یہ چھوٹے ملازمین اپنے آفیسران کی نا قابلیت کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بڑے آفیسر کا کام صرف دستخط کرنا ہے۔ ہاں اگر آفیسر ہُشیار ہو تو وہ یہ ضرور دیکھتا ہے کہ رپورٹ یا پروپوزل وغیرہ بنانے والے کلرک نے اپنا چھوٹا سا دستخط (Initials) کیا ہے کہ نہیں حالانکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ چھوٹا دستخط اپنی شناخت کھو بیٹھتا ہے۔

سلمان اب اپنے محکمے کے مختلف عہدوں کے لوازمات کے پیچ وخم بھی سیکھ چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ مخصوص تعلیمی سند نہ ہونے کے باوجود بھی وہ چیف کے عہدے کو نمٹا لے گا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اکثر محکموں میں جوں جوں عہدہ بڑھتا جاتا ہے تعلیمی قابلیت اور عقل کا استعمال کم ہوتا جاتا ہے اسی لئے محکموں کے سربراہ اپنے عہدوں پہ پہنچ کے یہ جان جاتے ہیں کہ اب محکمے کے بارے میں زیادہ سمجھنے یا جاننے کی ضرورت نہیں۔ ہاں البتہ بول چال اور تقریر کی مہارت ضروری ہے ورنہ آفیسر نالائق تصور کیا جاتا ہے۔ سلمان نے سروس کے اس شعبے میں کچھ کچھ مہارت حاصل کر لی تھی۔ اسلئے وہ مطمئن تھا کہ اگر وہ چیف بن گیا تو وہ اس عہدے کو بخوبی نبھالے گا۔

پھر اچانک ایک دن انہونی بات ہوگئی۔ وہ کچھ ہو گیا جو صرف سپنوں میں سوچا تھا۔ سلمان چیف بن گیا۔ چیف بنتے ہی جیسے اُس کے پر نکل آئے ہوں اور وہ خود کو ہوا میں اُڑتا محسوس کرنے لگا۔ اُسے محسوس ہوا کہ اُس میں عجیب وغریب تبدیلیاں رونما ہونے لگی ہیں،

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کی کمزور چھاتی پھُول کے چوڑی ہوگئی ہے، ماتھا کشادہ ہو کے پورے سر پہ پھیل گیا ہے، ہاتھ پاؤں بڑے بڑے لگنے لگے ہیں۔ اُسے اپنا قد بھی اونچا لگنے لگا کیونکہ اکثر لوگ اپنے سے چھوٹے لگنے لگے تھے۔

فطرتاً سلمان بڑا ہنس مکھ، باتونی اور کھلنڈرہ تھا۔ وہ اکثر محفلوں میں لوگوں کو نئے نئے قصے اور لطیفے سنا کر ہنسایا کرتا تھا، ہر طبقے اور ہر عمر کے لوگوں میں بیٹھ کے ایسے گھل مل جاتا تھا جیسے اُن ہی میں سے ایک ہو۔ مگر اب چیف بنتے ہی اُسے لگا کہ اب اس قسم کی حرکات اُس کے منصب کے شایان شان نہیں۔ وہ ایک دم سنجیدہ بننے کی کوشش کرنے لگا۔ اُسے بتایا گیا کہ اب ہر محفل میں بیٹھنا اُس کے رُتبے کی توہین ہے اور اب اگر کسی محفل میں بیٹھنا بھی ہے تو فقط اپنے status کے لوگوں کے ساتھ۔

اب اُس کے طور طریق، بول چال اور رہن سہن میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی جس میں اصلیت سے زیادہ بناوٹ کا دخل تھا۔ وہ اب اونچے اونچے محلوں کے سپنے دیکھنے لگا تھا۔ بول چال میں کرختگی آگئی تھی اور چال ڈھال میں عجیب سی تمکنت پیدا ہوگئی تھی۔ چیف بنتے ہی وہ عمر کی حدود سے بھی باہر آگیا تھا۔ اُسے اپنا آپ پھر سے جوان محسوس ہونے لگا تھا۔ سلمان اب سماج کے اُن لوگوں کی طرح ہوگیا تھا جنہیں رتبہ اور شہرت ملتے ہی لانڈری کی دوکان پہ بھیج دیا جاتا ہے۔ تاکہ اُن کے سیاہ داغ، دھبے دھل جائیں۔ اب وہ بڑا خاندانی اور باعزت معزز شہری تصور کیا جاتا تھا۔ اور تو اور اب اُس کا شمار خاندان، محکمے اور سماج میں ذہین اور intellectual کے طور پہ ہونے لگا تھا۔ محلے کے سماجی مسائل سے ناواقف ہونے کے باوجود اب وہ محلّہ کمیٹی کا سرپرست بنا دیا گیا تھا۔ اب ہر چھوٹے بڑے مسئلے پر نہ صرف اُس سے مشورہ لیا جاتا تھا بلکہ اُس کی رائے کو مقدم سمجھا جاتا تھا۔

ویسے بھی رواج چل نکلا ہے کہ محلے والے اور مذہبی وسماجی اداروں کے کرتا دھرتا محلے کے بڑے آفیسران اور دولتمند اصحاب کو ان اداروں میں شامل کر کے اُنکے رتبے، شہرت اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دولت کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس سے نہ صرف ان حضرات کو اپنے کارناموں پر پردہ پوشی کا ایک بہانہ مل جاتا ہے بلکہ سماج کے ٹھیکیداروں کو بھی ایک ایسا مہرہ مل جاتا ہے جسے حسب ضرورت استعمال کیا جاسکے۔ سلمان بھی اب اپنے محلے والوں اور حلقۂ احباب کے لئے ایک مہرہ تھا۔ اُسے محلے اور شہر کی ہر کمیٹی کا سرپرست بنادیا گیا تھا۔

سلمان رتبے، عہدے، شہرت اور دولت میں اپنے خاندان اور سوسائٹی میں اپنی سوچ، قابلیت، اہلیت یا اپنی بساط سے بہت اُوپر جاچکا تھا مگر دوستی، تعلقات اور رشتوں میں نیچے گر چکا تھا۔ اُس کے لئے اب رشتوں، تعلقات اور دوستی کا معیار صرف دولت، رُتبہ اور شہرت تھے۔ وہ اب انسانی رشتوں کو یکسر بھول چکا تھا۔

عام طور پر کسی بھی شخص کو چیف کے عہدے تک پہنچنے کیلئے بے شمار مراحل سے گذرنا پڑتا ہے چاہے وہ کام، تجربے یا تعلیمی قابلیت کے حوالے سے ہوں مگر جب ایسا عہدہ ان خصوصیات کے بنا ہی آپ کی جھولی میں آگرتا ہے تو دماغ کا خراب ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ چونکہ سلمان بھی کچھ ایسے ہی حالات کی پیداوار تھا اس لئے اُس کے رویے میں تبدیلی کوئی عجیب بات نہیں تھی۔

لگتا ہے انگریزی زبان کے ماہر لسانیات نے 'چیف' کا لفظ مرتب کرتے وقت خوب سوچ سمجھ سے کام لیا ہے۔ حروف کے ذرا سے ہیر پھیر سے یہ لفظ آسمان سے گر کر زمین میں دھنس جاتا ہے۔ یعنی 'چیف' کو ذرا بدلنے سے 'چیپ' یعنی معمولی یا گرا ہوا بن جاتا ہے اور بول چال میں تو ردوبدل کی گنجائش اور بھی کم ہوجاتی ہے۔

سلمان بھی بظاہر چیف بن چکا تھا لیکن اُس کے عادات واطوار چیپ ہوچکے تھے۔ اب وہ بڑی سنجیدگی سے ذات اور خاندان بدلنے کی سوچ رہا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ڈرائی ڈے

شام کے سائے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ اَمن صبح سے آفس میں کام کرتے کرتے اب تھک چکا تھا۔ اُس نے اپنے آفس کی سبھی بتیاں روشن کروادی تھیں۔ اُس نے سوچا کہ بہتر یہی ہوگا کہ اب مزید کام اپنے ڈپٹی راکیش کے حوالے کیا جائے اور خود آرام کیلئے گھر چلا جائے۔

امن ملہوترہ اپنی کمپنی 'امن فائینانسز' کا مینجنگ ڈائریکٹر تھا اور شہر میں اُسکا اور اُسکی کمپنی کا اچھا خاصہ نام تھا۔ اُس کی کمپنی سود پہ پیسہ لیتی اور دیتی تھی اور اسکے علاوہ شیئر بازار کا کام بھی تھا یعنی وہ مختلف کمپنیوں کے شیئرز (Shares) خریدتے اور بیچتے بھی تھے۔ اُس کی فرم میں بیس بائیس کے قریب ملازمین تھے۔

شام کو اُس نے حسب معمول آفس میں اپنا کمرہ بند کروادیا اور کام راکیش کے حوالے کرتے ہوئے سٹی کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ آفس سے نکل کے کلب سے ہوتے ہوئے گھر جانا اُس کا روز کا معمول تھا۔ وہ روز سٹی کلب جا کے گھنٹہ بھر کیلئے بلیئرڈ کی دو ایک گیمز کھیلتا تھا اور پھر بار روم میں جا کے جلدی جلدی دو ایک سکاچ کے پیگ پی لیا کرتا تھا۔

سٹی کلب شہر کے مشہور ترین کلبس میں سے ایک تھا اور امن ملہوترہ نہ صرف اس کا مستقل ممبر تھا بلکہ اُس کا شمار کلب کے سینئر ممبرس میں سے ہوتا تھا۔

کلب پہنچتے ہی اُسے خیال آیا کہ پہلے لائبریری میں جا کے کچھ میگزینوں اور اخبارات

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی ورق گردانی کی جائے کیونکہ اُس نے صبح سے پوری طرح اخبارات نہیں پڑھے تھے۔ لائبریری میں کچھ وقت گذارنے کے بعد اب وہ بلیئرڈ روم کی طرف مُڑا ہی تھا کہ اُس نے بار روم کا دروازہ ادھ کھلا پایا اُس نے سوچا کہ اب چونکہ دیر ہو چکی ہے اس لئے بلیرڈ گیم میں اپنی باری کے انتظار میں اور بھی وقت گذر جائیگا اس لئے بہتر یہی ہے کہ بار میں جا کے جلدی جلدی دو ایک پیگ چڑھا لئے جائیں اور وہ بار روم کا دروازہ کھول کے اندر چلا گیا۔

بار میں داخل ہوتے ہی اُس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی اور وہ دم بخود رہ گیا۔ جب اُس نے دیکھا سامنے دائیں کونے والے ٹیبل پہ ستیندر رگپتا کا ہمشکل کوئی آدمی بیٹھا وہسکی پی رہا ہے۔ اُس اجنبی شخص نے بھی ہاتھ ہلا کے نہ صرف امن کو آداب کیا بلکہ اپنی طرف آنے کو کہا۔ امن سوچنے لگا بھلا یہ شخص کون ہو سکتا ہے؟ یہ تو ہُو بہُو ستیندر رگپتا کا ہمشکل ہے۔ وہی کشادہ چہرہ، وہی بڑی بڑی آنکھیں، گھنے گھنگرالے کالے بال، سانولہ رنگ، موٹی مونچھیں، اور کلین شیو۔ امن کے پسینے چھوٹ گئے۔ گو اُس نے اس اجنبی کے آداب کا جواب تو دیدیا لیکن ذہن یہ فیصلہ نہین کر پایا کہ اُس کے پاس جایا جائے کہ نہیں۔ اُس نے سوچا کہ بھوت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ بقول اُسکے بھوت پریت کا کوئی وجود نہیں۔ اُسے بھوت پریت پہ بالکل یقین نہیں تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جن، بھوت، پریاں محض وہم اور انسانی ذہن کی اختراع ہیں اور ان باتوں کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ پھر بھلا یہ شخص کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ امن کو کیسے جانتا ہے؟

امن شاید اس کے بارے میں کسی سے پوچھتا چھ کرتا لیکن بار روم میں اس اجنبی اور کونٹر پہ بار مین کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اُس نے دیکھا بار مین کونٹر کے پیچھے کھڑا وہسکی کی بوتلیں اِدھر اُدھر کر رہا تھا اور خالی گلاس کپڑے سے صاف کر رہا تھا۔ اُس نے سوچا واپس جانے سے بہتر یہی ہے کہ کونٹر پہ جا کے بار مین دیپک سے اس اجنبی کے بارے میں دریافت کرے اور ساتھ ہی ساتھ ایک آدھ پیگ وہسکی بھی پی لے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کونٹر پہ آتے ہی اُس نے بار مین دیپک سے بلیک لیبل سکاچ وہسکی کا لارج پیگ بنانے کو کہا اور پوچھا۔

''دیپک یہ کونے میں بیٹھا کون وہسکی پی رہا ہے؟''

''سر یہ ستندر گپتا صاحب ہیں''۔ دیپک نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

گھبراہٹ میں امن ملہوترہ نے پورا گلاس ایک ہی سانس میں پی ڈالا اور پھر بار مین دیپک سے کہا۔

''ارے دیپک ستندر گپتا کو تو مرے ہوئے دو سال سے زیادہ وقت ہو گیا ہے بھلا یہ ستیندر کیسے ہو سکتا ہے؟''

''سر یہ ستندر گپتا صاحب ہی ہیں اور اکثر یہاں آتے ہیں'' دیپک نے پھر بڑے وثوق سے جواب دیا۔

امن نے پھر ایک لارج پیگ کا آرڈر دیا اور جلدی جلدی دوسرا گلاس بھی ایک ہی سانس میں حلق سے نیچے اُتار دیا اور تیسرے پیگ کا آرڈر دیا اور سوچنے لگا بھلا یہ ستندر گپتا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ امن کا دوست تھا اور دو سال پہلے ایک سڑک کے حادثے میں اُس کی موت ہوئی تھی۔ اور جو لوگ اُس کے مردہ جسم کو گھر اور بعد میں شمشان گھاٹ لے گئے تھے اُن میں امن بھی شامل تھا۔ جس شخص کے مردہ جسم کو اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے چتا پہ جلتے دیکھا تھا وہ زندہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اُس نے سوچا دیپک بار مین کو بھی دھوکہ ہوا ہے۔ ضرور کوئی ٹھگ دیپک کو بھی بدھو بنا رہا ہے۔

امن نے پھر چوری چھپے پیچھے مُڑ کے دیکھا جہاں وہ اجنبی اب بھی بیٹھا وہسکی پی رہا تھا اور مسکراتا ہوا اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ امن کو اپنی طرف دیکھتے ہی اُس نے پھر ہاتھ کے اشارے سے اُسے اپنی طرف بلایا۔

امن ملہوترہ روزانہ صرف دو لارج پیگ وہسکی ہی پیا کرتا تھا مگر آج وہ ابھی تک تین

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لارج پیگ وہسکی پی چکا تھا اور گھبراہٹ کے عالم میں اُس نے چوتھے پیگ کا آرڈر بھی دیدیا اور گلاس سامنے آتے ہی فوراً حلق میں انڈیل دیا۔ آج جتنے وقت میں اُس نے چار پیگ پیئے تھے عام طور پہ اتنی دیر میں وہ بمشکل ایک پیگ پیا کرتا تھا۔ اب اُس نے جلدی سے بل ادا کیا اور اُس شخص یعنی ستیندر رگپتا کے ہمشکل کی طرف دیکھے بنا ہی بار روم سے باہر آ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کس سے پوچھے؟

پہلے خیال آیا کہ کارڈ روم یا بلیرڈ روم میں جا کے وہاں موجود ممبران کو یہ سارا ماجرہ سنایا جائے۔ لیکن ساتھ ہی ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ ہوسکتا ہے یہ اجنبی نہ صرف ستیندر رگپتا کا ہمشکل ہے بلکہ ہمنام بھی ہو اور کسی باہر کے کلب کا ممبر ہو ورنہ بار مین دیپک کو مغالطہ لگنے کی کوئی وجہ نہیں۔

آخر میں اب اُس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ کسی سے ملے بغیر گھر کی طرف چلا جائے کیونکہ ویسے بھی آج اُس کا شراب کا ڈوز کچھ زیادہ ہی ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ جلدی سے کار پارکنگ کی جانب بڑھا۔ پارکنگ کلب کے مین گیٹ کے بائیں جانب تھی۔ اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہی اُسے مین گیٹ سے دیپک بار مین اندر آتا دکھائی دیا۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اُس نے دیپک کو اپنی طرف بلایا اور پوچھا ''ارے دیپک تم تو اوپر بار روم میں تھے پھر بھلا یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' دیپک نے حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔ ''سر میں تو ابھی ابھی گھر سے آ رہا ہوں کیونکہ منیجر صاحب نے بلایا ہے۔ بار روم تو آج بند ہے۔ آج گاندھی جینتی ہے۔ سر آج ڈرائی ڈے ہے۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فرار

کاوہ محلے میں آدھی رات کو جمال الدین کے گھر کے دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ گھر کے افراد محو نیند تھے لیکن گھر کا مالک جمال الدین دستک کی آواز سن کے جاگ گیا۔ وہ حیران تھا کہ بھلا اتنی رات گئے کون گھر کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے؟ ہمت کر کے اُس نے دروازہ کھولا۔

دروازے پہ ایک لمبا تڑنگا خوبرُو نوجوان کھڑا تھا۔ ہلکی ہلکی کالی داڑھی، پتلی مونچھیں، گورا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں۔ لکیروں والی نیلی قمیض اور نیلی جین کی پتلون پہنے وہ کسی ہالی وُوڈ فلم کا ہیرو لگ رہا تھا۔

''پولیس اور آرمی میرا پیچھا کر رہی ہے۔ مجھے کچھ دیر کیلئے پناہ دو۔'' نوجوان نے جمال الدین سے کہا۔

''لیکن تم ہو کون؟'' جمال الدین نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

''خاقان ہوں ہم مجاہدین گروپ سے وابستہ ہوں''۔ نوجوان نے جواب دیا ''اوہ۔ وہی گروپ جس نے پچھلے کئی سالوں سے پولیس اور فوج کی ناک میں دم کر رکھا ہے؟'' جمال نے حیرانگی سے پوچھا۔

''ہاں وہی تنظیم۔ میرے دوسرے ساتھی بھی محلے کے دوسرے مکانوں میں پناہ لے چکے ہیں۔ اپنے لئے مجھے اس کاوہ محلے میں یہی گھر سب سے زیادہ محفوظ نظر آیا کیونکہ پیر گنج

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھانہ بالکل نزدیک ہے اور تھانے کے نزدیک گھروں پہ کسی کو بھی شک نہیں ہوسکتا۔ دراصل اسی تھانے سے اس تمام ایریا کے محاصرے کا پلان مرتب ہوا ہے۔ جمال صاحب آپ کو کچھ دیر کیلئے زحمت دے رہا ہوں۔ معافی چاہتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد چلا جاؤں گا خاقان نے کہا۔

''نہیں نہیں بیٹا ایسی کوئی بات نہیں۔ خدانہ کرے کہ کوئی ایکشن ہو اور آرمی یہاں تک آجائے تب تو بڑی مشکل ہوگی۔'' جمال دین نے گھبرائے ہوئے کہا۔

''گھبرایئے نہیں ہم نے ہتھیار ایک محفوظ جگہ پہ چھپا دیئے ہیں۔ ویسے بھی ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آپ کے اس گنجان محلے کے پیش نظر ایکشن کے باوجود ہماری جانب سے گولی نہیں چلے گی'' خاقان نے جمال دین کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

''جمال صاحب اگر باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ بنی تو میں یا تو اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردوں گا یا پھر محلے سے باہر نکل کے باقاعدہ ایکشن کرنا پڑے گا۔'' خاقان نے پریشانی کے عالم میں جمال الدین کو بتایا۔

''نہیں نہیں بیٹا سرنڈر یا ایکشن سے جتنا ممکن ہوا احتراز کرنا۔ بہتری ہے کہ یہاں سے باہر نکلنے کی کوئی ترکیب سوچو۔'' جمال دین نے مشورہ دیا۔

دونوں نے بات چیت بہت دھیمی آواز میں کی اسلئے گھر کے دوسرے افراد یا تو اُن کی باتیں سن نہیں پائے یا پھر سن کے اپنے اپنے کمروں میں دبک کے بیٹھے رہے۔

اب خاقان کسی حد تک مطمئن ہوکے جمال الدین کے گھر میں چُھپا رہا۔ اُسے اپنے ساتھیوں کے بارے میں فون پہ کوڈ زبان میں وقفے وقفے سے اطلاع ملتی رہی۔ اُسے یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ کہ اس محاصرے کا انچارج ایس پی کپل شرما ہے اور اُسے یاد آیا کہ کپل سائینس کالج جموں میں اُس کا کلاس میٹ تھا جو اُسے ہمایوں کے اصلی نام سے جانتا تھا۔ اُسے یہ بھی پتہ چلا کہ کپل ساتھ والے پیر گنج پولیس تھانے سے اس محاصرے کو کنٹرول کر رہا ہے لیکن اس نے جمال الدین کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رات کے پچھلے پہر وہ پو پھٹنے سے پہلے ہی جمال الدین کے گھر سے باہر نکلا لیکن اس سے پہلے ہی اُس نے اپنے ساتھیوں کو فون پہ اطلاع دی کہ کسی بھی طریقے سے اپنی جان بچا کے اس محاصرے سے نکل جاؤ اور اپنے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ جاؤ۔ اپنے بارے میں اُس نے اُنہیں بتایا کہ وہ جوں توں کر کے باہر نکلنے کی کوشش کریگا اسلئے اُس کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

باہر آتے ہی اُس نے دیکھا کہ محلے کی ہر گلی اور نکڑ پر پولیس اور فوج کا پہرہ ہے اسلئے تمام راستے بند ہیں اور نکل بھاگنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اُس نے سوچا ایکشن کرنے سے بھاگ نکلنے کی صورت تو بن سکتی تھی مگر اس resistance سے کیا فائدہ جس سے بے گناہ لوگوں کی جان و مال کو خطرہ ہو۔ پھر نہ جانے اُسے کیوں خیال آیا کہ کیوں نا سیدھا پیر گنج تھانے میں جا کے اپنے آپ کو کپل کے حوالے کر دیا جائے۔

بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہ پاتے ہوئے وہ پولیس اور آرمی کی نظر بچا کے سیدھا پیر گنج تھانے پہنچ گیا جہاں سامنے کپل شرما بیٹھا تھا۔ کپل نے جونہی خاقان کو دیکھا وہ دم بخود رہ گیا۔ وہ اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا کیونکہ دوسرے ملیٹنٹ لیڈروں کی تصویروں کے علاوہ خاقان کی تصویر بھی ہمیشہ اُس کی جیب میں رہتی تھی۔ ہڑبڑاہٹ میں وہ خاقان کا بازو پکڑ کے اُسے اندر کمرے میں لے گیا اور تھانے میں موجود عملے سے چوکنا رہنے کے لئے کہا اور ہدایت دی کہ کوئی بھی اندر نہ آئے اور کہا ڈی۔ ایس پی اور انسپکٹر کو مطلع کیا جائے کہ کاوہ محلے کی ناکہ بندی مزید سخت کر دیں۔

کمرے میں جاتے ہی اُس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا اور خاقان سے پوچھا کہ وہ اچانک یہاں کیسے اور کیوں چلا آیا؟

"کپل میں تمہارا دوست ہوں اور جموں سائنس کالج کا کلاس فیلو ہمایوں ہوں۔ جب پتہ چلا کہ تم اس ایکشن کے انچارج ہو تو میں نے سوچا کہ بھاگ نکلنے یا ایکشن سے کوئی فائدہ نہیں۔ خواہ مخواہ لوگوں کے جان و مال کو خطرہ ہے۔ بہتر ہے اپنی دوستی کا فرض نبھاتے ہوئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیوں نا تمہیں فائدہ پہنچایا جائے۔ تم تو جانتے ہو سرکار نے میرے زندہ یا مُردہ پکڑے جانے پہ بہت بڑا انعام رکھا ہے۔ اگر قسمت ہوگی اور بچ گئے تو پھر سے جہاد کے بارے میں سوچیں گے۔ اس وقت میں تمہاری تحویل میں ہوں، تم جو چاہو کرو۔ میں اسے اپنی ہار یا شکست نہیں مانتا۔ ہالانکہ انسان شکست آسانی سے تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن کبھی کبھی فرض یا دوستی ہار جیت کا شعور چھین لیتی ہے۔''

دوستی کے اچانک اس وار سے کپل شرما گہری سوچ میں پڑ گیا اور پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا ''نہیں ہمایوں نہیں ایسے نہیں میں تمہیں خود پکڑنا چاہتا تھا مگر ایسا کرنا تو میری دوستی کی توہین ہے۔ ویسے بھی مجھے آج پتہ چلا ہے کہ تم ہمایوں ہو اور خاقان تمہارا کوڈ نام ہے۔ خیر تم اگر ہمایوں نا بھی ہوتے اور صرف خاقان ہوتے تو بھی میں تمہیں اس طرح سے گرفتار نہیں کرتا۔'' کپل نے جذباتی ہو کے کہا۔

''تو پھر تم ہی بتاؤ کیا کیا جائے؟ اب اگر ایسے پکڑنا نہیں چاہتے تو پھر مجھے بچاؤ'' خاقان نے ہمت کر کے کپل سے التجا کی

''کیسے؟'' ایس پی کپل نے پوچھا۔

''اپنی پولیس گاڑی میں مجھے گھنٹہ چوک تک چھڑوا دو''۔ خاقان نے مشورہ دیا اور پھر کپل شرما ایس پی سپیشل برانچ نے اپنے بچپن کے ساتھی ہمایون عرف خاقان کمانڈر 'ہم مجاہدین گروپ' کو خود اپنی سرکاری گاڑی میں لے جا کے گھنٹہ چوک پہ اُتار دیا اور کہا کہ اگر زندگی رہی تو ضرور پھر ملیں گے۔''۔

اگلے دن اخباروں کی سرخی میں یہ خبر تھی کہ کل رات 'ہم مجاہدین گروپ' کا کمانڈر خاقان پولیس اور فوج کو چکما دیکر اور محاصرہ توڑ کے اپنے ساتھیوں سمیّت فرار ہو گیا۔ اس معرکے میں کوئی جانی یا مالی نقصان نہیں ہوا۔

☆☆☆

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیوانہ

آسمان ابر آلودہ تھا لیکن لگتا تھا کہ شائد بارش برسنے میں ابھی دیر ہے اس لئے ساجد نے سوچا کہ بارش آنے سے پہلے سیر پوری ہو جائیگی۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے روزانہ کوئی ڈیڑھ گھنٹے صبح سیر کیا کرتا تھا۔ تین چار ساتھی راستے میں اور مل جایا کرتے تھے۔ سیر کے دوران یہ سب لوگ دولت پورے میں سرکاری دوکانوں کی دہلیز پہ بیٹھ کے گپیں ہانکا کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہلکی پھلکی ورزش بھی ہو جاتی تھی۔ سب دوستوں کی عمر اور حیثیتوں میں تضاد کے باوجود خوب ہم آہنگی تھی اور یہی وجہ تھی کہ پچھلے دس سال سے یہ چار پانچ دوستوں کا گروپ بلا ناغہ روز اکٹھے صبح کی سیر کیا کرتے تھے۔ یہ سب لوگ روز صبح دولت پورے کی چوک پہ پہلے سے تعین کئے ہوئے وقت پہ ملا کرتے تھے۔ ساجد اپنے اس سیر کرنے والے گروپ میں سب سے چھوٹا تھا اور ابھی ریاست کے محکمہ صحت میں دائریکٹر کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھا۔ اردو زبان میں ایم۔اے کیا تھا۔

آج بھی ساجد حسبِ معمول سیر کے دوران سرکاری شاپنگ کمپلیکس کی دہلیز پہ بیٹھ کے دوسرے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا اور ساتھ ہی ہلکی پھلکی ورزش بھی شروع کر دی۔ اچانک سامنے سڑک پہ معمولی سا شور سنائی دیا اور اُس نے دیکھا ایک نوجوان لڑکا سڑک پہ دوڑ رہا ہے اور چند چھوٹے لڑکے اُس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور چھوٹے چھوٹے پتھر مار رہے ہیں۔ ساجد نے دیکھا کہ کچھ دُور جا کے وہ نوجوان لڑکا واپس مڑ کے اُن شرارتی بچوں کے پیچھے بھاگا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور وہ سب بچے سامنے والی گلی کے اندر چلے گئے۔ اس دوران ساجد کے دوسرے ساتھی بھی آ چکے تھے۔ اور اُس نے یہ سارا ماجرا اُنہیں بھی بتایا۔ مگر اُنہوں نے اسے کوئی اہمیّت نہیں دی۔

گو یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا اور شاید بھول بھی جاتے مگر یہ واقعہ روز کا معمول بن چکا تھا۔ روز صبح سامنے والی گلی سے وہ نوجوان لڑکا نمودار ہوتا اور کچھ ہی دیر بعد چند چھوٹے چھوٹے بچے بھی دوسری گلی سے باہر آتے اور نوجوان یہ کنکر مارتے، آوازے کستے۔ کچھ دور جا کے نوجوان واپس مُڑ کے ان بچوں کے پیچھے بھاگتا۔ یہ سلسلہ کوئی ہفتہ بھر چلتا رہا۔ لیکن ساجد یا اُس کے دوسرے ساتھیوں نے یہ جاننے کی کوئی کوشش نہیں کی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ بظاہر اُس نوجوان میں کوئی خرابی نہیں دِکھ رہی تھی تاہم یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کون ہے اور یہ بچے اُسے کیوں تنگ کرتے ہیں؟

کچھ دنوں بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا۔ چھوٹے بچے تو نظر آئے پر وہ نوجوان لڑکا باہر نہیں آیا۔ بچے بھی شاید اُسے ہی ڈھونڈنے گلی سے باہر آتے تھے اور اُسے نہ پا کر واپس چلے جاتے تھے۔

ایک دن جونہی بچے گلی سے باہر آئے تو ساجد اور اُسکے ساتھیوں نے موقع جان کے ایک بچے کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ ''بیٹا تم کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ اور وہ نوجوان آدمی کون ہے جسے آپ بچے تنگ کرتے ہو؟'' بچے نے بڑی معصومیّت سے جواب دیا کہ ''ہم سب بچے اُس پیچھے والے محلے میں رہتے ہیں اور وہ آدمی سامنے والی گلی میں رہتا ہے۔ بس پاگل ہے پورا پاگل۔ اس لئے ہمیں اُسے ستانے میں مزہ آتا ہے۔'' ساجد کے ایک ساتھی نے بچے سے پوچھا ''بھلا تم بچوں کو کیسے معلوم ہے کہ وہ پاگل ہے؟''۔ بچے نے جواب دیا کہ وہ اکثر اپنے آپ سے باتیں کیا کرتا تھا۔ جب ہم نے ایک انکل سے پوچھا تو اُس نے کہا شائد پاگل ہے اُسے تنگ کرو پتھر مارو۔ اب ہم جونہی ایسا کرتے ہیں وہ چڑ جاتا ہے اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہمارے پیچھے دوڑتا ہے۔ ساجد نے بچے سے پھر پوچھا۔ ''اچھا یہاں اُس کا گھر کہاں ہے؟''۔ بچے نے ہاتھ کے اشارے سے دکھایا کہ ''وہ اُس سامنے والی گلی کے دوسرے مکان میں رہتا ہے۔ وہ جو سفید رنگ کا مکان ہے۔ پر اب وہ کئی دنوں سے باہر نہیں آرہا ہے۔ شاید کہیں چلا گیا ہے۔'' یہ کہہ کے بچہ چلا گیا۔

ساجد کے ساتھیوں نے اُسے مشورہ دیا کہ یہ ایک معمولی واقعہ ہے اور اس میں سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ شرارت کرنا بچوں کا مشغلہ ہے۔ بچوں نے اُسے اپنے آپ سے باتیں کرتے دیکھا تو اُسے پاگل سمجھ بیٹھے اور اُسے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اور ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نوجوان واقعی پاگل ہو۔ پر بھلا ہمیں اس سے کیا؟

اب جب کئی دنوں تک نہ وہ نوجوان باہر آیا اور نا ہی بچے دکھے تو ساجد اور اُس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ معاملہ تھم گیا ہے مگر ساجد پھر بھی اس مسئلے کی تہہ تک جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے سوچ لیا کہ جونہی سب ساتھی سیر کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے وہ واپس آ کے اس بات کا پتہ لگائے گا۔

جب سب لوگ اپنے اپنے گھر کی اور چل دیئے، ساجد واپس آ گیا اور دولت پورہ میں سرکاری دوکانوں کے سامنے والی گلی کے اُس سفید مکان تک پہنچ گیا جس کا پتہ اُس چھوٹے بچے نے دیا تھا۔ اُس نے بڑے آہنی گیٹ کے دائیں ستون پہ لگے ہوئے گھنٹی کے پُش بٹن کو دبا دیا۔ کچھ دیر بعد چھوٹا دروازہ کھلا اور ایک غیر کشمیری لڑکے نے باہر آ کے پوچھا کہ کس سے ملنا ہے؟ یہ لڑکا غالباً گھریلو نوکر لگتا تھا۔ ''یہاں ایک نوجوان آدمی رہتا ہے جو ہر روز صبح سیر کو نکلتا ہے مگر اب پچھلے کئی دنوں سے اُسے دیکھا نہیں۔ کیا وہ خیریت سے ہے؟'' ساجد نے غیر کشمیری لڑکے سے پوچھا۔

''اچھا اچھا ناصر بھیا۔ جسے بچے تنگ کرتے ہیں؟'' لڑکے نے جواب دیا۔

''ہاں ہاں وہی۔ کہاں ہے وہ؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گھریلو ملازم ساجد کو لیکر گھر سے منسلک ایک الگ کمرے کی طرف لے گیا اور کہا کہ ناصر بھیا یہاں رہتے ہیں اور اسوقت اپنے کمرے میں ہیں۔ ساجد نے ہمت کر کے دروازے پہ دستک دی۔ کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھلا اور سامنے وہی نوجوان کھڑا تھا جس کا نام گھریلو ملازم نے ناصر بتایا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ساجد نے اپنا تعارف کرایا۔ ''مجھے ساجد کہتے ہیں محکمہ صحت میں ڈائریکٹر آفس میں ہیڈ کلرک ہوں روز صبح یہاں دولت پورہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر کرتا ہوں۔ کئی دنوں سے آپ کو سیر پہ نکلتے نہیں دیکھا اس لئے سوچا آپ سے مل کے غیر حاضری کی وجہ پوچھوں۔''

ناصر نے ساجد کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری غیر حاضری کے لئے متفکر تھے یا پھر روز صبح بچوں کی چھیڑ چھاڑ کا ڈرامہ دیکھ نہیں پائے؟ ویسے وجہ کچھ بھی ہو آپ کے آنے کا بہت بہت شکریہ۔ آپ اندر تشریف لائیے۔''

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ساجد نے کہا ''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں بچوں کا ڈرامہ تو نہیں بلکہ آپ کی سیر سے غیر حاضری کی وجہ بھی جاننا چاہتے تھے۔'' دیکھنے میں تو آپ خاصے مہذب اور عقلمند انسان لگتے ہو۔ پھر وہ صبح کا شور شرابہ کیا ہے؟''

کمرے میں داخل ہوتے ہی ساجد کرسی پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں لگے فرنیچر سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ آل پرپز لیونگ کم بیڈروم ہے۔ ساتھ میں باتھ روم بھی attached تھا کیونکہ بائیں جانب کا دروازہ کھلا تھا جس سے آدھا باتھ روم دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے میں سامنے ڈبل بیڈ لگا تھا جس پہ قرینے سے بیڈ شیٹ بچھا ہوا تھا۔ دائیں طرف کونے میں وارڈ روب تھا جس میں شائد کپڑے وغیرہ تھے اور اُس کے ساتھ ہی لکڑی کا بڑا شیلف تھا جس پہ بہت سی کتابیں اور میگزین تھے۔ ساتھ ہی کمرے میں دو آرام دہ کرسیاں اور سینٹر ٹیبل تھا۔ بیڈ کے کنارے پہ سائیڈ ٹیبل تھا جس پہ الیکٹرک کیٹل، کچھ پیالے، پلیٹیں اور چمچے وغیرہ تھے۔ غرض یہ کہ کمرہ کچن کے بغیر ہر لحاظ سے مکمل تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ساجد نے دیکھا ناصر ایک خوبرو نوجوان ہے۔ لمبا قد، کسرتی بدن، بڑی بڑی آنکھیں، گورا رنگ اور گہرے کالے گھنگھرالے بال۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا بھلا ایسا مہذب خوبصورت آدمی پاگل کیوں سمجھا جارہا ہے۔ وہ سوچنے لگا شاید بچوں کو کسی نے بہکایا ہے ورنہ وہ معصوم خود اس بات کا فیصلہ کیسے کر پائے؟ ساجد ابھی اسی خیال میں تھا کہ ناصر کی بات نے اُسے چونکا دیا۔ ''بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

''نہیں نہیں۔ کچھ نہیں۔ دراصل میں بھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ روزانہ صبح سیر کو نکلتا ہوں۔ اب جب کئی دنوں سے آپکو صبح دیکھا نہیں تو سوچا خیریت دریافت کرلوں۔'' ساجد نے کہا۔

جواب میں ناصر نے بتایا کہ کچھ دنوں سے اُس کی طبیعت ناساز تھی اس لئے وہ صبح کی سیر کے لئے نکل نہیں پایا۔

باتوں باتوں میں ساجد کو پتہ چلا کہ ناصر اصل میں ہفت ناگ کا رہنے والا ہے اور یہاں شہر میں دولت پورہ ہائی سکول میں آفس کلرک کے طور پہ کام کررہا ہے اور یہاں ریٹائرڈ ٹیچر میر صاحب کے گھر پر بطور پیئنگ گیسٹ رہ رہا ہے۔ اُس نے مزید بتایا کہ بی اے پاس کرنے کے بعد وہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ہفت ناگ کے آفس میں بحیثیت جونیئر اسسٹنٹ کام کررہا تھا مگر ذاتی وجوہات کے باعث اُس نے بڑی مشکل سے منت سماجت کرکے اپنی تبدیلی اس شہر میں کروائی ہے۔ اب پچھلے دو مہینوں سے وہ یہیں رہ رہا ہے۔ مگر اب کچھ دنوں سے چند شرارتی بچے اُسے خوامخواہ پاگل سمجھ کے تنگ کررہے ہیں۔ بقول ناصر کے کسی نے ان بچوں کو اس کے بارے میں بہکایا ہے۔

یہ سب جاننے کے بعد ساجد کچھ دیر بعد اجازت لے کے وہاں سے چلدیا۔ اب اکثر صبح سیر کے وقت ساجد اور ناصر کی ملاقات ہوتی رہتی اور دونوں ہاتھ کے اشارے سے ایک دوسرے کو سلام کہتے۔ ایک آدھ بار بچے پھر ناصر کو چھیڑنے گلی سے باہر آئے تو ساجد اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کے ساتھی نے اُنہیں بھکا دیا۔ کچھ دنوں بعد بچوں نے بھی گلی سے باہر نکلنا بند کر دیا اور ناصر کی گلو خلاصی ہوگئی۔ ساجد سوچ رہا تھا کہ اگر موقع ملا تو ناصر سے اس شہر میں تبدیلی کروانے کی وجہ پوچھ ہی لیں گے۔

کچھ دنوں بعد جب ساجد کے ساتھی حسبِ معمول صبح کی سیر کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اُسے خیال آیا آج سرکاری چھٹی ہے اور دفتر بند ہیں۔ کیوں نا چل کے ناصر سے ملا جائے۔ ناصر کے گھر پہنچتے ہی اُس نے اپنے کمرے کے سامنے ناصر کو کھڑا پایا۔ اُس نے جونہی ساجد کو آتے دیکھا وہ بے حد خوش ہوا اور پرتپاک انداز سے اُس نے ساجد کو خوش آمدید کہا اور بڑے پیار اور خلوص سے پیش آیا۔ کمرے میں داخل ہو کے وہ کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد آخر ساجد نے ناصر سے پوچھ ہی لیا کہ وہ کونسی ذاتی وجوہات تھیں جن کے باعث اُسے گھر چھوڑ کے یہاں آنا پڑا۔ ناصر، جواب ساجد سے کافی مانوس ہو چکا تھا، نے بتانا شروع کر دیا۔

''زینت اور میں ایک دوسرے سے بے حد پیار کرتے تھے۔ وہ مشن کالج میں مجھ سے دو جماعت پیچھے تھی۔ ہم فرصت کے لمحات میں اکثر کالج کے عقبی حصے میں بیٹھ کے باتیں کیا کرتے تھے۔ ہمارے پیار کی داستان پورے کالج میں مشہور تھی بلکہ کالج کی چار دیواری سے نکل کے شائد ہمارے خاندانوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ ہم دونوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس سے پہلے کہ لوگ ہمارے رشتے کو کوئی غلط رنگ دیں ہم گھر والوں کو منا کے شادی کر لیں گے۔ مگر جیسے ہی اُس کے گھر والوں کو ہمارے پیار کی شدت کی بھنک پڑی تو انہوں نے زینت کا کالج جانا بند کر دیا اور گھر سے نکلنے پر بھی پابندی عاید کر دی۔ چونکہ ابھی فون کے ذریعے رابطہ تھا اس لئے ہم نے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا مگر اُس بے چاری پہ بندشیں اور سخت کر دی گئیں اور میرا اُس سے رابطہ تقریباً منقطع ہوگیا۔ اس دوران جلد بازی میں اُس کے گھر والوں نے زبردستی اُس کی شادی اُس کے ماموں زاد بھائی سے کر دی اور ہم دونوں کی ایک نہ چلی۔ اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ بے چاری اُف تک نہ کرسکی۔''

ساجد نے ناصر کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔''بھلا اتنی سختی کی وجہ کیا تھی؟ کیا تم میں کوئی کمی تھی؟''

''ہاں شاید تھی۔ بقول اُنکے میرا تعلق چھوٹے خاندان سے ہے اور زینت کا تعلق اونچے خاندان سے ہے۔ میرا باپ نائی ہے اور اب بھی ہفت ناگ میں میرے باپ کی دوکان ہے جہاں وہ لوگوں کے بال کاٹتا ہے۔ زینت اونچے گھرانے کی لڑکی ہے۔ اُس کا باپ ہفت ناگ میں ایک مسجد کا امام ہے۔ بھلا پیرزادوں کا نائیوں سے کیا موازنہ؟'' یہ کہتے کہتے ناصر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تو کیا ہوا تم پڑھے لکھے تھے۔ خوبرو ہو۔ اور دیکھنے میں تم میں کوئی کمی نہیں اور پھر مسلمان ہونے کے ناطے اسلام میں ذات پات کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔'' ساجد نے کہا۔

''وہ سب کتابوں میں ہے اور بحث مباحثے کے لئے موضوع ہے مگر اصل میں یہ ذات پات کا ناسور ہم سب میں بدرجہ اُتم موجود ہے۔ ہوسکتا ہے نئی نسل میں اس بدعت کا اثر کم ہو لیکن بزرگوں اور روایات نے بیج اس قدر گہرا بویا ہے کہ فی الحال اس سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے۔ ہاں البتہ دولت اور رُتبہ اس بدعت کو کبھی کبھی وقتی طور دبا دیتے ہیں مگر بدقسمتی سے میرے پاس یہ دونوں نہیں ہیں''۔ یہ بتاتے ہوئے ناصر خاموش ہوگیا۔

ساجد سوچنے لگا کہ نہ جانے ہم لوگ پُرانی اور فرسودہ غلط رسموں سے کب آزاد ہونگے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پنکی (Pinki)

تیمور نے جونہی اُسے دیکھا دل دھک سے رہ گیا۔ چہرہ بالکل مانوس لگ رہا تھا اُسے لگا وہ شائد اُسے پہلے سے جانتا ہے۔ نیم وا آنکھیں جیسے نشے میں ہوں اور جن سے نظر ملائی نہیں جاسکتی تھی۔ لمبا چہرہ، گلابی گال، سرخ پتلے ہونٹ، لمبے گھنے کالے بال، ستواں ناک۔ لگتا تھا کسی مصور نے فرصت سے ایک شاہکار بنایا ہے۔ چہرے اور آنکھوں میں بلا کی کشش تھی جسے دیکھتے ہی بس انسان کھینچا ہی چلا جائے۔

لمبا قد، بھرا بھرا جسم، گورے ہاتھ اور لمبی لمبی مخروطی انگلیاں، پاؤں بھی گورے جو کالی پتلی چپل میں بے حد خوبصورت لگ رہے تھے ہلکے نیلے رنگ کی قمیض شلوار اور آسمانی رنگ کے دوپٹے میں وہ جنت سے اُتری ہوئی پری معلوم ہوتی تھی۔

لڑکی کو دیکھتے ہی اُسے لگا جیسے وہ کئی بار اُس سے ملا ہو۔ صورت بالکل جانی پہچانی تھی مگر اُسے یاد نہیں آرہا تھا کہ وہ اُس سے کہاں ملا تھا۔ وہ انجان لڑکی بھی چور نظروں سے بار بار تیمور کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کے بار بار مُڑ مُڑ کے دیکھنے سے ایسا لگ رہا تھا کہ شائد وہ بھی تیمور سے ملنے کے لئے بیقرار ہے۔

یہ لڑکی کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ ہندو ہے، مسلمان ہے یا پھر کسی اور مذہب سے تعلق رکھتی ہے یہ بھی تو معلوم نہیں تھا۔ لیکن اتنا ضرور تھا کہ اُسے دیکھتے ہی اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا۔ آخر یہ رشتہ کیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے؟ اُسے دیکھتے ہی وہ اسقدر دیوانہ کیوں ہو چلا تھا ویسے بھی کبھی کبھی زندگی کے کسی موڑ پہ کچھ ایسی انجانی صورتیں مل جاتی ہیں جنہیں دیکھ کے لگتا ہے اُنہیں پہلے بھی دیکھا ہے اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ تیمور نے اس واقعہ کو بھی کچھ ایسا ہی سمجھ کے ذہن سے جھٹکنا چاہا مگر دل نے ساتھ نہیں دیا اور اُس کے دل میں اس انجان لڑکی سے ملنے کی خواہش شدت سے جاگ اُٹھی۔

تیمور نے پھر ایکبار ذہن پہ زور لگا کے یاد کرنا چاہا کہ آخر اُس نے اس پری چہرے کو کب اور کہاں دیکھا ہے؟ تب اُسے یاد آیا کہ چند مہینے پہلے اُس نے کئی دن تک مسلسل اُسے خواب میں دیکھا تھا۔ بالکل وہی چہرہ وہی خدوخال، وہی مسکراہٹ، وہی آنکھیں غرض یہ کہ سب کچھ وہی جو اس لڑکی میں ہے۔ اُسے یاد آیا کہ خواب میں اس لڑکی کو کئی بار دیکھنے کے بعد وہ کئی دن تک پہروں اُس کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور بے چین بھی ہو گیا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جس انجان لڑکی کو اُس نے خواب میں دیکھا ہو تو ہو بہو وہی صورت آج سامنے نظر آجائے۔ یہ کہیں اُس کا وہم تو نہیں۔ خواب تو خواب ہیں۔ بھلا حقیقت کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ کیا؟ وہی لڑکی آج اُس کے سامنے تھی۔ بالکل وہی لڑکی جسے اُس نے کئی بار خواب میں دیکھا تھا۔

تیمور دراصل چنئی میں کمپیوٹر انجینئرنگ کرنے کی غرض سے آیا تھا اور اب اپنے کورس کا فائینل امتحان دینے کے بعد گھر جانے سے پہلے چند دوستوں کے ساتھ یہاں میرینا بیچ (Marina beach) کی سیر کو آیا تھا۔ دوستوں سے الگ ہو کے واش روم کی طرف جاتے ہوئے اُس کی نظر اس خوبصورت انجان لڑکی پہ پڑی تو وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔

اب دل ہی دل میں اُس لڑکی سے ملنے کی تمنا انگڑائیاں لینے لگی اور وہ بے چین ہو گیا کیونکہ اُس سے ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنی اس کیفیت کا ذکر اپنے دوستوں سے بھی نہیں کر پایا تھا حالانکہ انہوں نے اشاروں اشاروں میں بات کا ذکر تو چھیڑا تھا لیکن نہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جانے تیمور نے اس راز کو فی الحال اُن دوستوں سے بانٹنا مناسب نہیں سمجھا۔

اچانک اُس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نا کاغذ کے ٹکڑے پہ اپنا موبائیل نمبر لکھ کے اُس کے سامنے پھینک دیا جائے۔ اگر اُس کے دل میں ذرا بھر بھی خیال ہوگا تو وہ ضرور اُس سے بات کرنا چاہے گی۔ وہ جلد دوستوں سے الگ ہو کے سامنے واش روم میں گیا اور جیب سے کاغذ کی ایک پرچی نکال کے اُس پہ اپنا موبائیل نمبر لکھ دیا اور پرچی جیب میں رکھ لی۔ واپس آتے اُس نے دیکھا لڑکی کے شاید ماں باپ تھے جو بینچ پہ بیٹھے ہیں اور وہ پاس ہی اکیلی گھوم رہی ہے۔ جونہی اُس سے نظریں ملیں تیمور نے دوستوں سے نظریں بچا کے پرچی لڑکی کی جانب اُچھال دی اور خود پھر واش روم کے پیچھے جا کے چھپ کے کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اُس کے فون کی گھنٹی بجی۔ ''ہیلو! آپ نے ابھی اپنا نمبر دیا تھا.....'' لڑکی نے بس آدھی بات کی۔

''ہاں آپ سے بات کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ جب سے آپکو دیکھا ہے بس دل قابو میں نہیں ہے۔ میں یہاں انجینئرنگ کالج میں ہوں۔ فائنل ایئر کا امتحان دیا ہے اور یہاں اپنے دوستوں کیساتھ اس بیچ پہ گھومنے آیا ہوں۔ دراصل میں نے چند مہینے پہلے آپ کو کئی بار خواب میں دیکھا تھا۔ آج جب آپ کو دیکھا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ آپ کو نہ جانتے ہوئے بھی بھلا میں نے یہی صورت خواب میں کیسے دیکھی؟'' تیمور نے اپنے بارے میں بتا دیا۔

لڑکی نے بھی سوچا چونکہ وقت کم ہے اس لئے اپنے بارے میں جلد از جلد سب کچھ بتا دیا جائے۔ ''میں پنکی ہوں۔ حیدر آباد کی رہنے والی ہوں اور چنئی میں فیشن ڈیزائینگ میں ڈپلوما کر رہی ہوں۔ دو سال کا کورس ہے اور ابھی پہلا ہی سال ہے پہلی بار میرینا بیچ پہ اپنے ماموں اور ممانی کے ساتھ آئی ہوں۔ لیکن اس ساحل کو دیکھتے ہی مجھے لگا جیسے میں یہاں کئی بار آ چکی ہوں۔ آپ کو جونہی دیکھا تو لگا جانا پہچانا چہرہ ہے۔ آپ مجھے اجنبی نہیں لگے اس لئے ہلکا سا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اشارہ ملتے ہی اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائی۔ لیکن آپ نے اپنے بارے میں پوری طرح بتایا نہیں کہ آپ کون ہیں؟ کیا نام ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟''

تیمور نے فوراً جواب دیا۔ ''میں تیمور ہوں۔ تیمور علی خان اور دہلی کا رہنے والا ہوں۔ چند دن میں واپس جانا تھا مگر آپ کو دیکھنے کے بعد اب جلد واپسی کا ارادہ بدل دوں گا۔''

لڑکی خاموش ہوگئی اور تیمور ہیلو ہیلو کرتا ہی رہ گیا۔ تیمور نے پریشانی کے عالم میں لڑکی سے جواب دینے کو کہا اور اصرار کیا کہ ''اگر آپ جواب نہیں دوگی تو میں خود آپ کے پاس آجاؤں گا۔''

کچھ دیر بعد پنکی نے اُداس آواز میں کہا۔ ''اب جب کہ آپ نے اپنے بارے میں بتادیا ہے اس لئے لگتا ہے یہ ملاقات بس خواب تھی جو شائد آگے نہ بڑھ سکے۔''

تیمور کو لگا جیسے پنکی نے اُسے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچا کے نیچے گھاٹی میں دھکیل دیا ہو۔ وہ سکتے میں آگیا۔ اُس نے ہمت کر کے پنکی سے پوچھ ہی لیا۔ ''آخر کیوں؟ یہ ملاقات آخر کیوں آگے نہیں بڑھ پائے گی؟ قدرت نے ہمیں ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔ ہم دونوں کا اس جگہ ملنا ایک قدرتی عمل ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو محض خواب میں دیکھا تھا اور شائد یہی وجہ تھی کہ ایک دوسرے کو نہ جانتے ہوئے بھی ہم پہلی ہی نظر میں ایک دوسرے کی جانب کھنچتے چلے گئے۔ ابھی تو ہمارا صرف نظر اور آواز کا ملاپ ہوا ہے۔ پھر یہ اچانک آپ کو کیا سوجھی کہ راستے سے ہٹنے کی بات کر رہی ہو؟''

پنکی نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنا موبائیل فون سوئچ آف کر کے اپنے ماموں اور ممانی کے پاس چلی گئی۔ تیمور بھی دکھی اور دل برداشتہ ہو کے اپنے دوستوں کے پاس آگیا۔ دوست اچانک سنجیدگی کی وجہ پوچھتے رہے مگر اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

پنکی اور اُسکے ماموں اور ممانی تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلدیئے۔ تیمور نے بھی اپنے دوستوں سے چلنے کو کہا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوسٹل پہنچتے ہی تیمور نے کئی بار پنکی کا نمبر ملانا چاہا مگر ہر بار اُسے سوئچ آف پایا۔ پریشانی کے عالم میں وہ کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اچانک پنکی کو کیا ہو گیا۔ سفر شروع ہونے سے پہلے ہی اُس نے ساتھ چھوڑنے کی بات کیوں کی؟ اگر اُسے دور ہونا ہی تھا تو پھر ایک دم سے نزدیک کیوں آ گئی۔ فون کال کا جواب کیوں دیا؟ اپنے بارے میں سب کچھ کیوں بتا دیا؟ اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ضرور اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے بعد ہی گھر جائے گا۔ پنکی اُس کے رگ رگ میں بس چکی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی پنکی کے خیال کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پایا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ پنکی سے ملاقات میں ضرور کسی غیبی طاقت کا ہاتھ تھا۔ ورنہ جانے بغیر ایک دوسرے کو خواب میں دیکھنا اور پھر پہلی ہی نظر میں فریفتہ ہو جانا ممکن نہیں تھا۔

وہ اس اچانک بے اعتنائی کی وجہ پنکی سے پوچھتا مگر اُس نے موقع ہی نہیں دیا اور اس کا موبائیل فون برابر سوئچ آف آرہا ہے۔ اب وہ روز اُس کے کالج کے چکر کاٹنے لگا تاکہ ملاقات کا کوئی راستہ نکل آئے۔ کالج آنے جانے والے لڑکے لڑکیوں میں کوئی نہیں ملا جو پنکی کے بارے میں جانکاری دے سکے۔

ایک دن لڑکیوں کا ایک گروپ کالج سے باہر آرہا تھا تو حسب دستور پوچھنے پر پتہ چلا کہ ایک لڑکی روجا پنکی کی نہ صرف قریبی سہیلی ہے بالکل اُسکی رُوم میٹ بھی ہے۔ تیمور کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُس نے فوراً اُس سے پوچھا کہ ''کیا آپ مجھے پنکی کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہیں؟''

اُس کی سہیلی فوراً بھڑک اُٹھی'' آپ کون ہیں؟ اور کیوں اُس کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟''

''میں تیمور ہوں۔ ایک دن میرینا بیچ پہ اُس سے ملاقات ہوئی تھی مگر وہ اچانک کچھ کہے سُنے بنا وہاں سے فوراً چلدی۔ میں صرف ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں''۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''اوہ تو آپ ہی ہیں وہ جس نے اُس کی زندگی میں ہلچل مچادی ہے۔ وہ پہروں روتی رہتی ہے۔ خدارا اُس کا پیچھا چھوڑ دو اور اُسے اپنے حال پہ چھوڑ دو ورنہ وہ بے چاری خراب ہو جائیگی۔ پاگل ہو جائیگی۔'' روجا نے منت سماجت کرتے ہوئے تیمور سے کہا

'' بھلا اس معاملے میں میرا کیا قصور ہے؟ میں تو خود بے حال ہوں اور اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ پاؤں گا وہ نہیں ملی تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ ایک بار مجھے اُس سے ملا دو۔'' تیمور نے عاجزی اور بے بسی سے کہا۔

روجا نے پھر جواب دیا'' خدارا آپ اس وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر اُسے پتہ چلا تو نہ جانے کیا ہو جائیگا۔ اُس کی زندگی کے لئے آپکو اُس سے دور ہونا ہی پڑے گا۔''

تیمور یہ سب سن کے پریشان ہو گیا اور فوراً وہاں سے چلدیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ ایک طرف سے پیار اور دیوانگی اور دوسری طرف فرار، کنارہ کشی۔ ضرور کوئی خاص وجہ ہے جو اچانک وہ اب اُس سے دور جانا چاہتی ہے، ملنا نہیں چاہتی۔

دوسرے دن پھر تیمور فیشن ڈیزائننگ انسٹی چیوٹ پہنچ گیا اور گیٹ کے باہر انتظار کرنے لگا۔ کوئی دو گھنٹے بعد اُسے پنکی کی سہیلی روجا باہر آتے ہوئے دکھائی دی اور وہ دوڑا دوڑا اُس کے پاس پہنچا اور پنکی کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ اُس نے ہمت کر کے اُس کی سہیلی سے پوچھ ہی لیا کہ آخر پنکی کے نہ ملنے کی وجہ کیا ہے؟ کیا اُس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے یا پھر اُس میں کوئی کمی ہے۔ روجا نے ایک کاغذ کا پرچہ تیمور کو دیدیا جس پہ صرف لکھا تھا۔'' میں برہمن ہندو ہوں اور تم مسلمان''۔

روجا نے کہا کہ'' پنکی کالج کی پڑھائی چھوڑ دے گی اگر تم چلے نہیں جاؤ گے۔ خدارا اب چلے بھی جاؤ۔''

تیمور دل برداشتہ ہو کے وہاں سے چلدیا مگر جاتے جاتے اُس نے روجا سے کہا کہ وہ کل پھر آئے گا اور پوری طرح سے اس معاملے کے بارے میں پنکی سے خود پوچھے گا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دوسرے دن جب تیمور پھر کالج پہنچا تو گیٹ پہ کھڑی روجا اُسے ملی جو شاید اُسی کا انتظار کر رہی تھی۔ روجا نے اُسے بتایا کہ ''پنکی کالج کی پڑھائی ادھوری چھوڑ کے کل رات گھر چلی گئی اور شاید اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔ ہاں البتہ جانے سے پہلے یہ خط آپ کے لئے چھوڑ گئی ہے۔''

تیمور نے روجا کے ہاتھ سے لفافہ لیا اور پھاڑ کے خط پڑھنے لگا۔ ''ڈیر تیمور معاف کرنا میں جانے سے پہلے آپ سے مل نہ پائی۔ دراصل میں چاہتی بھی تھی کہ جانے سے پہلے آپ کو پریشان نہ کروں۔ جب میں نے آپ کو میرینا ساحل پہ دیکھا تو مجھے لگا میرے خوابوں کی تعبیر مجھے مل گئی ہے کیونکہ جس جگہ اور شخص کو میں بار بار اپنے خوابوں میں دیکھ رہی تھی وہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ مجھے لگا میرے جنم جنم کا ساتھی مجھے مل گیا ہے۔ پھر آپکا انداز بھی وہی تھا۔ جونہی آپ نے پرچی پہ اپنا موبائیل نمبر لکھ کے میری جانب پھینکا مجھے لگا منزل اور بھی قریب آچکی ہے۔ لیکن جونہی آپ نے اپنے بارے میں بتایا اور اپنا نام بتایا میرے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی اور میں دھڑام سے زمین پہ آرہی۔ یہ کیا؟ آپ مسلمان ہو اور میں کٹر ہندو گھرانے کی لڑکی۔ ہمارا خاندان برہمن ہے جہاں دوسرے ہندو گھرانوں سے رشتہ جوڑنے میں بھی ممانعت ہے کسی مسلمان سے تعلق رکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے گاؤں کی سرزمین پہ ایک بار پھر ہندو اور مسلمان خون کی ہولی کھیلیں کیونکہ اس سے پہلے بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا جب کہ میری سہیلی، اُس کا ساتھی اور کئی اور لوگ مارے گئے تھے۔ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کرلیا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے اور بہتر یہی ہے کہ آج کے اس دور میں ہم اپنی اپنی قوم کے وسیع تر مفاد کی خاطر اپنے پیار کی قربانی دیدیں۔

دراصل یہ جنم ہمارا نہیں تھا۔ ابھی وقت ہے کہ ہم امن کیلئے اپنے راستے بدل دیں۔ کچھ اور آگے نکل جاتے تو واپس مُڑنا مشکل ہوجاتا۔ میں نے جان بوجھ کے اپنا اصلی نام اور پتہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپکو نہیں بتایا تا کہ آپ خوامخواہ مجھے ڈھونڈھنے کی کوشش نہ کریں۔
مجھے یقین ہے کہ اگلے جنم میں ہم ضرور ملیں گے۔'' تیمور خط پڑھتے ہی مایوس ہو کے زمین پہ بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بس سٹاپ

وہ روز صبح ٹھیک سوا نو بجے بس سٹاپ پہ پہنچ جاتا تھا کیونکہ اُس کے دفتر جانے والی گاڑی تقریباً ساڑھے نو بجے اسی بس سٹاپ سے ہو کر گذرتی تھی۔ اُس کا گھر اس سٹاپ سے کوئی دو کلومیٹر کی دوری پر تھا جہاں گنجان بستی کی وجہ سے کوئی کشادہ سڑک نہیں تھی، اسی لئے وہ گلی کوچوں سے ہوتا ہوا پیدل یہاں تک آتا تھا۔

سلیم نے جونہی بارہویں جماعت یعنی 2+10 کا امتحان پاس کیا تو اُسے لگا کہ کوئی پروفیشنل ٹریننگ اُس کے بس کا روگ نہیں اس لئے اُس نے صاف صاف اپنے والد سے کہا کہ وہ بی۔اے کی تعلیم کیلئے کالج جوائین کرے گا۔ باپ نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ کم از کم بیٹا آگے پڑھنے کیلئے تیار تو ہے اس لئے اُس نے سوچا کہ بیٹا جو چاہتا ہے اُسے کرنے دیا جائے اور دھونس دباؤ سے کام نہ لیا جائے۔ چنانچہ سلیم نے بی۔اے کیلئے آرٹس کالج میں داخلہ لیا اور تین سال بعد تھرڈ ڈویژن میں بی۔اے فائینل امتحان پاس کر لیا اور پھر اپنی ہی کوشش سے سٹیٹ ریکروٹمنٹ بورڈ کے ذریعے فوڈ اینڈ سپلائز محکمے میں جونیئر اسسٹنٹ کی نوکری حاصل کر لی۔

ماں باپ نے چین کا سانس لیا کہ بالآخر بیٹے نے اپنے معاش کا بندوبست کر ہی لیا۔ وہ خوش تھے کہ اُنہیں آج کے مشکل دور میں در در کی ٹھوکریں نہیں کھانا پڑیں۔ جلال الدین یعنی سلیم کے والد مطمئن تھے کہ بھلے ہی سلیم ڈاکٹر، انجینئر یا بڑا آفیسر نہیں بن پایا لیکن اُس نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بنا رشوت یا سفارش کے یہ چھوٹی موٹی نوکری حاصل کر لی تھی۔

آج بھی سلیم حسبِ معمول ٹھیک سوا نو بجے بس سٹاپ پر پہنچ گیا جہاں کچھ اور لوگ بھی کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے۔ سلیم نے لمحہ بھر کیلئے سوچا کہ زندگی میں ہر شخص کسی نہ کسی بس سٹاپ پر اپنی قسمت کی گاڑی کا انتظار کرتا رہتا ہے اگر سیٹ مل گئی تو اپنی مقرر کردہ منزل پہ پہنچ جاتا ہے یا پھر کسی نہ کسی وجہ سے راستے ہی میں رہ جاتا ہے۔ فی الحال سلیم کی منزل صرف اُس کا دفتر تھا جہاں روزانہ اُسے دس بجے سے پہلے پہنچنا ہوتا تھا۔

آج جانے کیوں بس کے آنے میں کچھ دیر ہوگئی اور وہ کھڑا کھڑا اُکتا سا گیا۔ اچانک اُس نے سڑک کے اُس پار سامنے والے مکان کی بالائی منزل کی جانب دیکھا جہاں کھڑکی کھلی تھی اور پردے کی اُوٹ سے کوئی جھانک رہا تھا۔ کوئی چہرہ تھا جسے پردے کے باعث سلیم ٹھیک سے دیکھ نہیں پایا کیونکہ سلیم کے اوپر دیکھتے ہی اُس اجنبی چہرے نے اپنے آپ کو پوری طرح پردے کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ اتنے میں بس آ گئی اور وہ جھٹ سے اُس میں سوار ہو کے دفتر کی جانب روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن بھی حسبِ معمول تیار ہو کے وہ بس سٹاپ کی جانب چل دیا۔ آج اُس کے ذہن میں گاڑی کے علاوہ کھڑکی میں پردے کے پیچھے چھپے اُس اجنبی چہرے کو دیکھنے کا شوق بھی سوار تھا۔ بس سٹاپ پر پہنچتے ہی اُس نے سامنے کے مکان کی کھڑکی کی جانب دیکھا۔ کھڑکی کھل گئی اور آہستہ سے تھوڑا سا پردہ سرکا۔ کوئی اپنا چہرہ اور جسم چھپائے ہوئے پردے کی اوٹ سے باہر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ صرف دو آنکھیں دِکھ رہی تھیں۔ ''پردہ ہٹا کے سامنے کیوں نہیں آتا؟ مرد ہے یا عورت کچھ معلوم نہیں''۔ سلیم منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ اتنے میں گاڑی آ گئی اور وہ اُس میں سوار ہو گیا۔

اب سلیم کیلئے بس کا انتظار اور کھڑکی میں اُس اجنبی چہرے کو دیکھنے کی خواہش روز کا معمول بن چکے تھے۔ کئی بار تو اسی شوق میں وہ وقت سے پہلے ہی بس سٹاپ پر پہنچ گیا لیکن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کھڑکی نہیں کھلی۔ کھڑکی روز صبح سوا نو بجے کھلتی تھی اس سے پہلے نہیں۔ کھڑکی کھلتے ہی آہستہ سے پردہ سرکتا اور پردے کی اوٹ سے صرف دو آنکھیں تب تک جھانکتی جب تک کہ بس نکل نہ جاتی۔ سلیم اب اس سوچ میں گم تھا کہ کھڑکی سے جھانکنے والا شخص صرف بس کا انتظار کرتا ہے یا پھر اُس کی دلچسپی سلیم میں بھی ہے؟

آج بھی وہ صبح حسبِ معمول نو بجے بس سٹاپ پر پہنچا اور چونکہ گاڑی آنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے اس لئے شیڈ کے اندر لگے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا۔ دو ایک اور لوگ بھی بس کا انتظار کر رہے تھے۔ آسمان پر گہرے کالے بادل چھائے ہوئے تھے اور لگتا تھا ابھی پانی برسنا شروع ہو جائیگا۔ ٹھیک سوا نو بجے سامنے والی کھڑکی کھل گئی اور کوئی پردے کی اوٹ سے باہر جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں زوروں کی بارش شروع ہوگئی۔ ایسا لگا کہ شاید بارش کی کچھ بوچھاڑیں وہاں کمرے کے اندر جانے لگی ہوں کیونکہ شائد اسی لئے اُس اجنبی نے پردہ ہٹا کے کھڑکی بند کرنا چاہی۔ بس پھر کیا تھا سلیم نے دیکھ لیا کہ وہ اجنبی چہرہ ایک جوان لڑکی کا تھا جو اتنی دور سے دِکھنے کے بعد بھی خاصی خوبصورت لگ رہی تھی۔ گھنے کالے بال، گورا رنگ اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں۔ کھڑکی سے آدھا جسم دیکھتے ہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ لڑکی کوئی اٹھارہ بیس سال کی عمر کی ہوگی۔ اتنے میں بس آ گئی اور سلیم کو بادلِ نخواستہ اُس میں سوار ہو کے دفتر کی جانب روانہ ہونا پڑا۔

بس میں بیٹھے بیٹھے سلیم نے سوچا کہ اب اس لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا پڑیں گی تا کہ پتہ چل سکے کہ وہ ہر روز صبح کس کے انتظار میں کھڑکی کھولتی ہے؟ دفتر میں بیٹھ کے بھی وہ سارا دن اُس اجنبی حسین لڑکی کے بارے میں سوچتا رہا۔

اگلی صبح سلیم چھاتہ لیکر گھر سے روانہ ہوا کیونکہ بارش نے کل سے تھمنے کا نام نہیں لیا تھا اور اب بھی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ تمام گلیاں اور سڑکیں جگہ جگہ پانی سے بھری پڑی تھیں۔ بارش کے باعث وہ گھر سے جلدی ہی نکلا تھا اس لئے ٹھیک نو بجے وہ بس سٹاپ پر تھا۔ تیز

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بارش کی وجہ سے روشنی بھی کم تھی اور ہر چیز دھندلی دُھندلی دکھائی دے رہی تھی۔ خراب موسم کے باوجود ٹھیک سوا نو بجے اُس اجنبی لڑکی نے کھڑکی کھولی اور حسب عادت پردے کی اوٹ سے چھپ کے باہر جھانکنے لگی۔ چونکہ بس سٹاپ پہ ابھی سلیم کے سوا اور کوئی نہیں تھا اسلئے اُس نے ہمت کر کے لڑکی سے اشارہ کر کے پردہ ہٹانے کو کہا۔ پردہ ہٹ گیا اور چہرہ سامنے آ گیا۔ چہرہ اسقدر پُرکشش اور جاذبِ نظر تھا کہ اُس پر سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ سلیم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اُس سے کیسے ملے اور اُس کے بارے میں کس سے پوچھے؟ حالانکہ اب سلیم نے اشارتاً اُسے نیچے آنے کیلئے بھی کہا تھا لیکن جواب میں لڑکی صرف مسکرادی اور کوئی جواب نہیں دیا۔

اب تو صبح سوا نو بجے کھڑکی کا کھلنا اور بس کے چھوٹتے ہی بند ہو جانا روز کا معمول بن چکا تھا اور یہ سلسلہ یونہی کافی دنوں تک چلتا رہا اور سلیم کا رشتہ اُس انجان لڑکی کی جھلک اور مقناطیسی مسکراہٹ سے آگے نہیں بڑھ سکا اور نہ ہی وہ اُس لڑکی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر پایا۔ سلیم کو ایک انجانا یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اُس لڑکی سے ملاقات ہو جائے گی۔ وہ اب دن رات اُس لڑکی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا اور اُس سے ملنے کیلئے طرح طرح کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اُسے اب گھر کے کاموں اور دفتر کے کام میں بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔ دراصل انسان کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے پیچھے بھاگتے ہوئے اصلی مقاصد سے دور ہو جاتا ہے۔ چھوٹی خوشیاں چند لمحوں کے لئے سکون تو دے دیتی ہیں لیکن کبھی کبھی لمبی خوشیوں سے دور کر دیتی ہیں۔ دُکھ کی گھڑیاں عام طور پہ طویل ہوتی ہیں اسلئے چھوٹی خوشیوں کو پکڑ کے رکھنا بھی ضروری ہے۔

کچھ عرصہ بعد ایک دن وہ صبح بس سٹاپ پر پہنچا اور کھڑکی کے کھُلنے کا انتظار کرنے لگا لیکن سوا نو بجے کھڑکی نہیں کھلی۔ ساڑھے نو بھی بج گئے، بس آئی لیکن کھڑکی نہیں کھلی۔ وہ بس میں سوار ہو کے دفتر چل دیا لیکن اُس نے سوچا ضرور کوئی بات ہے۔ خدا خیر کرے۔ خدا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کرے لڑکی کی طبیعت ٹھیک ہو۔ یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا مگر کھڑکی نہیں کھلی۔

اب سلیم پریشان ہوگیا اور اُس نے فیصلہ کرلیا کہ کسی سے پوچھ کے معلوم کرلیا جائے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ آج سلیم گھر سے دفتر جانے کے لئے نہیں بلکہ اُس انجان لڑکی کے بارے میں پتہ کرنے نکلا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خدا کرے کھڑکی کھلے تاکہ وہ ہمت کرکے اُسے نیچے آنے کو کہے۔

ٹھیک نو بجے وہ بس سٹاپ پر پہنچا اور بے صبری سے کھڑکی کے کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ بس آئی اور آکے چلی گئی مگر کھڑکی نہیں کھلی۔ وہ اب پریشان ہوگیا اور سڑک پار کرکے مکان کے پاس جا پہنچا۔ اب اُسے انتظار تھا کہ کوئی شخص ملے تاکہ وہ اُس سے اسبارے میں پوچھے۔

کچھ دیر بعد بغل والی گلی سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نکلی اور اُس مکان کے سامنے سے گذری۔ سلیم نے ہمت کرکے اُس سے پوچھا ''بڑی بی اس مکان کی بالائی منزل میں جو لوگ.....'' عورت نے فوراً بات کاٹ دی اور کہا۔ ''ارے وہ یہاں کرایہ دار تھے اور اب مکان چھوڑ کے چلے گئے ہیں۔''

''آخر وہ کون تھے؟ اب کہاں چلے گئے ہیں؟'' سلیم نے عورت سے پوچھا

''سننے میں آیا تھا کہ کوئی چھ مہینے پہلے اُن کا اٹھارہ سالہ جوان بیٹا بس میں بیٹھ کے کالج روانہ ہوا مگر پھر لوٹ کے واپس نہیں آیا۔ بسیار تلاش کے باوجود آج تک اُس کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔ یہاں تک کہ اُس کی بڑی بہن اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی اور روز صبح کھڑکی کھول کے بس کا انتظار کرتی رہتی تھی کہ شائد بھائی آجائے۔ مگر وہ آج تک نہیں آیا۔''

یہ سنتے ہی سلیم سکتے میں آگیا اور اُس کا ذہن ماؤف ہوگیا۔ وہ فوراً سڑک پار کرکے بس سٹاپ کے بنچ پر جا بیٹھا۔ اُس نے سامنے والی کھڑکی کی جانب دیکھا اور اُسے لگا کہ جیسے کھڑکی میں کھڑی لڑکی پردے کی اُوٹ سے دیکھ کے مسکرا رہی ہے۔

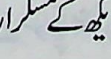

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہم کیا چاہتے.....؟

ابوریحان ایک بہت بڑی عسکری تنظیم کا سربراہ تھا اور پورے قصبے میں بے حد مقبول تھا۔ وہ نہ صرف ایک عسکری کمانڈر تھا بلکہ غریب اور ضرورتمند لوگوں کی بھی بھرپور مدد کیا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ پچھلے کئی سالوں سے علاقے میں سرگرم عسکری تنظیموں میں وہ پہلا کمانڈر تھا جو لوگوں میں اسقدر ہر دلعزیز تھا۔

ابھی چند دن پہلے وہ پولیس کے ساتھ ایک مُڈبھیڑ میں اپنے چند ساتھیوں سمیّت مارا گیا۔ اس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے قصبے میں پھیل گئی۔ جیسے بجھی ہوئی چنگاریاں ایک دم سے بھڑک اُٹھی ہوں اور شعلے بن گئی ہوں، جیسے سویا ہوا آتش فشاں لاوا اگلنے لگا ہو۔ لوگ جوق در جوق اُس کے جنازے میں شرکت کی غرض سے اُس کے آبائی گاؤں درد پورہ پہنچ گئے۔ لوگوں کا یہ سمندر دیکھتے ہی پولیس اور دوسرے لاء اینڈ آرڈر قائم کرنے والے ادارے بے بس ہو گئے۔ لاکھوں لوگوں نے پورے تُزک واحتشام سے اپنے اس محبوب لیڈر کو سپرد خاک کیا۔

ابوریحان کی موت کے بعد پورے شہر میں ہر سو حکومت کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے اور کئی جگہوں پر مشتعل ہجوم اور پولیس کے بیچ تصادم بھی ہو گیا امن وقانون کی بگڑتی صورت حال کے پیش نظر حکومت نے کچھ علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا اور دوسری طرف لوگوں نے بھی ہڑتال کر دی۔ دفاتر، تعلیمی ادارے، دوکانیں اور دیگر ادارے بند ہو گئے۔ لوگوں نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی جگہ جگہ سڑکوں پہ رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

کرفیو، ہڑتال اور سڑکوں پہ رکاوٹوں کے باعث لوگوں کی نقل وحرکت مسدود ہو کے رہ گئی اور ہر کسی کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا نہایت مشکل ہو گیا۔

وامق کئی دنوں سے گھر میں بیمار پڑا ہوا تھا اور بگڑے حالات کے پیشِ نظر اُسے وقت پہ صحیح دوا اور علاج مل نہیں پا رہا تھا۔ اُس کی بیماری بھی ایسی تھی جس میں نہ صرف دوا کی ضرورت تھی بلکہ چوبیس گھنٹے کی نگہداشت کی بھی ضرورت تھی۔ وہ پھیپھڑوں کے سرطان کے مرض میں مبتلا تھا۔ شروع شروع میں تو شہر میں سرطان کے ماہر معالج ڈاکٹر راتھر سے مشورہ کر کے اُس کا خیال رکھا جا رہا تھا لیکن حکومت نے موبائیل فون بھی بند کر دیئے اس لئے ڈاکٹر سے رابطے کی یہ سہولت بھی جاتی رہی۔

ڈاکٹری مشورے اور ہدایت کے مطابق اب اُس کی سرجری اور پھر کیموتھراپی کرنا مقصود تھی جو کہ صرف شہر کے بڑے ہسپتال میں ممکن تھا مگر موجودہ حالات میں اس دُور دراز گاؤں سے باہر نکلنا نہایت مشکل تھا کیونکہ گاؤں سے باہر نکلنے والے سبھی راستے مشتعل ہجوم نے بڑے بڑے پتھر اور درخت بچھا کے بند کر دیئے تھے۔

وامق کے والدین، دوسرے رشتے دار اور دوست احباب بے حد پریشان تھے۔ سڑکوں پہ کھڑے لڑکوں سے منت سماجت کر کے بھی کوئی راستہ نہیں نکلا اور دوسری طرف حکومت کے سخت کرفیو نے بھی قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ ایسے میں بے چارے وامق کی حالت بتدریج بگڑتی جا رہی تھی۔

گاؤں اور آس پاس کے علاقوں میں ایمبولنس گاڑیاں محدود تھیں۔ چونکہ ہر جگہ احتجاج اور پھر گولیوں کے باعث زخمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اس لئے ایسے میں ایمبولینس کا ملنا نہ صرف مشکل تھا بلکہ ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ گو گھر میں گاڑی تھی مگر نکلیں تو کیسے؟ عجیب صورتحال تھی، بے بسی تھی۔ مین راستوں کو تو آرمی اور پولیس اپنی گاڑیوں کی آمد و رفت کیلئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رکاوٹیں ہٹا کے کھول دیتے تھے مگر گاؤں کے اندرونی راستے کون صاف کرے؟

فوج اور پولیس تو چاہتی تھی کہ عام لوگوں کی نقل وحرکت پر پابندی ہوتا کہ احتجاج کرنے والے لوگ باہر نہ آسکیں لیکن یہاں صورتحال مختلف تھی۔ یہاں وامق اور اُس جیسے دوسرے مریضوں کی زندگی کا سوال تھا۔

وامق برکت اللہ کا اکلوتا لڑکا تھا۔ جو مسقط (اومان) میں کسی پرائیویٹ کمپنی میں اسسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ایم بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ اپنے کسی دوست کی وساطت سے مسقط میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اب کئی سالوں سے وہیں کام کر رہا تھا۔ عمر بتیس سال کو پہنچ چکی تھی لیکن اُس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ والدین، رشتے دار اور دوست احباب کے اصرار کے باوجود وہ اپنی شادی سے برابر انکار کئے جا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے تینوں بہنوں کی شادی ہو جائے۔

آجکل وہ اپنی تیسری اور سب سے چھوٹی بہن کی شادی کے سلسلے میں کوئی ڈیڑھ مہینہ پہلے گھر آیا تھا۔ دو بہنوں کی شادی پہلے ہی ہو چکی تھی اور وہ دونوں اپنے اپنے سسرال میں آباد تھیں اور صاحب اولاد تھیں۔ تیسری بہن کی شادی کوئی مہینہ بھر پہلے خوش اصلوبی سے انجام پذیر ہوئی لیکن شادی کے کچھ دن بعد ہی ایک بار پھر وامق کو ہلکی ہلکی کھانسی اور بائیں بازو میں درد شروع ہوگیا تھا۔

دراصل ایک سال پہلے بھی وامق کو بازو کے درد اور کھانسی نے پریشان کیا تھا مگر تب مختلف رپورٹس دیکھنے کے بعد ڈاکٹروں نے اُس کے مرض کی تشخیص T.B کے طور پر کی تھی اور سال بھر یہی علاج چلتا رہا لیکن وقفے وقفے کے بعد نہ صرف بازو کے درد اور کھانسی کی شکایت بدستور قائم رہی بلکہ کئی بار شدت بھی اختیار کر گئی۔

اب کی بار شادی کی تقریب ختم ہوتے ہی کھانسی نے پھر آگھیرا اور بازو کا درد تو اسقدر بڑھ گیا کہ بازو ہلانا محال ہوگیا۔ شہر آکے بڑے specialists سے مشورہ کیا جس نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُسے بڑے ہسپتال ریفر کیا جہاں اُسے بتایا گیا کہ وہ پھیپھڑے کے سرطان کے مرض میں مبتلا ہے اور جو علاج اب تک ہوا تھا وہ غلط تھا۔ ڈاکٹروں کے مطابق اگر چھ مہینے پہلے وامق کے مرض کی صحیح تشخیص ہوئی ہوتی تو علاج سے دونوں پھیپھڑے بچ سکتے تھے مگر اب دیر ہو چکی ہے اس لئے جراحی سے خراب پھیپھڑا نکال کے دوسرا پھیپھڑا بچایا جا سکتا ہے مگر یہ جراحی دو ہفتے کے اندر اندر ہو جانی چاہئے ورنہ دوسرا پھیپھڑا بھی خراب ہونے کا احتمال ہے۔

مگر اچانک حالات خراب ہو گئے اور گھر سے نکلنا محال ہو گیا۔ وامق کا جلد علاج ہونا بے حد ضروری تھا مگر کیا کرتے گاؤں سے نکلنے والے ہر راستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں تھیں۔ موبائیل فون اور انٹرنیٹ کے بند ہونے سے سب رابطے منقطع ہو چکے تھے کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرنا مشکل تھا۔ شہر خاصا دور تھا اس لئے مریض کو ایسی حالت میں شہر لے جانا نہایت مشکل تھا۔

چونکہ وامق کی حالت تیزی سے بگڑ رہی تھی اس لئے خاندان اور گاؤں کے چند جوانوں نے ہمت کر کے وامق اور اُس کے والد کو اپنی گاڑی میں بٹھا دیا اور اللہ کا نام لے کے گھر سے شہر کی طرف چل دیئے تا کہ جلد از جلد اُسے شہر کے بڑے ہسپتال پہنچا سکیں۔ یہ لوگ جگہ جگہ نہ صرف سڑکوں سے رکاوٹیں ہٹاتے رہے بلکہ لوگوں سے اور پولیس سے منت سماجت کرتے رہے مگر راستہ تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

شہر سے کوئی بتیس کلو میٹر دور اُن کی گاڑی پتھراؤ کرتے ہوئے ہجوم کی زد میں آ گئی اور گاڑی کے دو ایک سائیڈ شیشے ٹوٹ گئے۔ وہ تو خیر ہوئی کہ گاڑی میں سوار وامق، اُس کے والد اور دیگر چار لوگ بال بال بچ گئے۔ منت سماجت کر کے یہاں سے چُھوٹے تو آگے پولیس کے نرغے میں پھنس گئے۔ مریض کی بگڑتی حالت بتانے کے باوجود پولیس آگے جانے نہیں دے رہی تھی آخر وامق کے والد برکت اللہ نے اپنی ٹوپی پولیس آفیسر کے پاؤں پہ رکھ دی اور گڑگڑاتے ہوئے ہسپتال جانے کی اجازت مانگی تو اُس نے مشکل سے اپنی ذمہ واری پہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جانے کی اجازت دیدی۔ رُک رُک کے چلنے میں ابھی تک تین گھنٹے ہو چکے تھے اور ابھی بھی ہسپتال کئی کلومیٹر دور تھا جبکہ گاؤں سے ہسپتال تک کا یہ سفر محض ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہو جاتا تھا۔

اس دوران وامق کی حالت اسقدر بگڑ چکی تھی کہ اب اُس نے بولنا بھی بند کر دیا تھا اور وہ تقریباً نیم بے ہوشی کی حالت میں صرف اپنے باپ اور گاڑی میں بیٹھے لوگوں کی طرف دیکھ کے اشاروں سے کہہ رہا تھا کہ جگہ جگہ منت سماجت کرنا چھوڑ دو اور مجھے واپس گھر لے چلو۔

کوئی آدھ گھنٹے بعد اب وہ ہسپتال سے کوئی ایک کلومیٹر دُور تھے کہ اچانک نعرے مارتا ہوا ایک بہت بڑا جلوس سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ لوگ زور زور سے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ خدا کا شُکر تھا کہ سامنے پولیس یا فوج نہیں تھی ورنہ سنگباری اور گولی باری شروع ہو جاتی۔ گاڑی بالکل جلوس کے بیچ پھنس گئی اور اب فی الحال آگے چلنا محال تھا۔

گاڑی کو روک کے وہ جلوس کے گذرنے کا انتظار کرنے لگے۔ ہجوم زور زور سے نعرے لگا رہے تھے۔ ''ہم کیا چاہتے..... آزادی''۔

نعروں کے شور اور لوگوں کے اژدھام میں گاڑی رُکی رہی۔ مگر وامق کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ اچانک برکت اللہ اور دوسرے لوگوں نے دیکھا کہ وامق باپ کی طرف پتھرائی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اب اُس کے چہرے پہ تکلیف کے کوئی آثار نہیں تھے وہ شائد زندگی کی قید سے آزاد ہو چکا تھا اور باہر ہجوم سے برابر نعروں کی آواز آ رہی تھی۔ ''ہم کیا چاہتے..... آزادی۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

طمانچہ

جمیل نے جلدی سے چائے کی، پیالی ختم کی کپڑے بدلے اور پھر عظمت کے گھر کی جانب چلدیا۔ جمیل اور عظمت بچپن کے دوست تھے۔ دونوں ایک ہی کالج میں بی۔ایس۔سی۔ فائینل ایئر میں پڑھتے تھے اس لئے دونوں کا آنا جانا تقریباً اکٹھے ہی ہوا کرتا تھا۔

جمیل آرام باغ میں رہتا تھا اور عظمت شکر باغ میں۔ روز صبح عظمت، جمیل کا انتظار کیا کرتا تھا اور پھر دونوں کالج جاتے تھے۔ واپسی بھی قریباً اکٹھے ہی ہوا کرتی تھی۔

دونوں کے والدین کی خواہش تھی کہ اُن کے بچے انجینئر بنیں۔ لیکن بارہویں جماعت کے امتحان میں دونوں نے بمشکل سکینڈ ڈویژن حاصل کی اور بعد میں کومپی ٹیٹو ٹیسٹ (Competitive test) میں فیل ہوگئے اسلئے اب واحد راستہ یہی تھا کہ لوکل کالج میں بی۔ایس۔سی میں داخلہ لیا جائے۔ بڑی مشکل سے شہر کے ایک نزدیکی کالج میں دونوں کو فرسٹ ائیر میں داخلہ مل گیا۔ اب دونوں دوست فائینل جماعت تک پہنچ چکے تھے۔

عظمت نہائیت شریف قسم کا لڑکا تھا اور پڑھائی میں بھی قدرے شریف تھا۔ لاکھ محنت کے باوجود وہ کبھی بھی امتحان میں پنتالیس یا پچاس فیصد نمبرات سے زیادہ حاصل نہیں کر پایا۔ جہاں تک جمیل کا تعلق تھا وہ لایقاور ہونہار طالبعلم تھا لیکن محنت اور پڑھائی اُس کے بس کی بات نہیں تھے اسلئے وہ بھی نمبرات اور percentage کے معالے میں پیچھے رہ جاتا تھا۔ اچھی کامیابی کے لئے محض قابلیت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے محنت اور تندہی کی بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ضرورت ہے۔ قابلیت اور عقل کو محنت اور تندہی سے ہی سنوارا جا سکتا ہے۔

جمیل اوّل درجے کا شرارتی اور لاپرواہ لڑکا تھا۔ لڑکیوں کو چھیڑنا، اُن پہ آوازے کسنا، اُنہیں ستانا اُس کا روز کا مشغلہ تھا۔ جوان خوبصورت لڑکی کو چھیڑنا یا تنگ کرنا اُس کا شوق تھا۔ جمیل کا کہنا تھا کہ جوان لڑکیاں چاہتی ہیں کہ اُنہیں چھیڑا جائے کیونکہ بقول اُسکے چھیڑ چھاڑ سے جوان لڑکی کو اپنی اہمیّت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جوان خوبصورت لڑکیاں چھیڑ چھاڑ کا برا نہیں مانتیں بلکہ اسے اپنے لئے compliment سمجھتی ہیں۔

''کیا بکتے ہو؟ بھلا چھیڑنے اور آوازے کسنے کو لڑکی اپنے لئے compliment سمجھے گی؟'' عظمت نے کئی بار ٹوکتے ہوئے جواب دیا تھا۔ اس بات پہ اکثر اُن دونوں کے بیچ بحث چھڑ جاتی اور بات لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی تھی۔

ایک بار جمیل نے پھر عظمت سے کہا ''ارے بدھو تم نے لڑکیوں کی نفسیات کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ جس جوان لڑکی کو لڑکے نہ چھیڑیں یا تنگ نہ کریں وہ سمجھنے لگتی ہے کہ اُس میں ضرور کوئی کمی ہے''۔ اس پہ عظمت نے بگڑ کے جواب دیا۔ ''دراصل یہ تمہارے ذہن کا فتور ہے اور گندی سوچ ہے کہ تم سب جوان لڑکیوں کو ایک ہی ترازو میں تول رہے ہو۔ ہمارے سماج میں شریف اور نیک لڑکیاں بھی تو ہیں جنہیں یہ سب خرافات پسند نہیں۔''

''ارے عظمت میں نے کب کہا کہ ہر لڑکی چھیڑ چھاڑ پسند کرتی ہے۔ لیکن اگر جوان خوبصورت لڑکیوں کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر لڑکیاں لڑکوں کی چھیڑ چھاڑ کو اپنی خوبصورتی اور اہمیّت کا آلہ سمجھتی ہیں۔'' جمیل نے پھر اپنی بات سمجھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن جمیل یہ بات اچھی نہیں اور تم تو جانتے ہو مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا۔ میں اسے خلافِ تہذیب سمجھتا ہوں۔ میں تو یہی کہوں گا خدا تمہیں نیک ہدایت کرے اور صحیح راستے پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے''۔ عظمت نے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

جمیل نے عظمت کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پھر کہا۔ ''عظمت تم جو بھی سمجھو تمہاری

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مرضی۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ میں لڑکیوں کو چھیڑ کے اُن کو اُنکی اہمیّت کا احساس دلاتا ہوں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ لڑکیاں تمہیں گھاس تک نہیں ڈالتیں، جبکہ میرے آگے پیچھے تتلیوں کی طرح ناچتی رہتی ہیں۔''

عظمت سے رہا نہ گیا اسلئے اُسنے پھر سمجھاتے ہوئے جوابدیا۔ ''یہ کیوں بھول رہے ہو کہ لڑکی ماں بھی ہے، بہن بھی ہے اور بیٹی بھی۔ لڑکی کی عزت کرنا، اُس کا احترام کرنا ہر مذہب اور ہر معاشرے نے ہمیں سکھایا ہے۔ عورت ذات کی عزت واحترام ہر معاشرے کے اخلاق کی پہلی کڑی ہے۔ جمیل تم جو کچھ کرتے ہو اور پھر اسے justify کر رہے ہو وہ سراسر لڑکی ذات کی بے عزتی ہے، توہین ہے۔ خیر میں خوامخواہ کی بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا۔ میں نے بڑی سنجیدگی سے اس بات پہ غور کیا ہے کہ کالج یا پڑھائی کے علاوہ میں کسی بھی لڑمستی میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔'' عظمت نے صاف صاف الفاظ میں جمیل پہ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔

جمیل نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور عظمت سے معافی مانگی۔ ''اچھا بابا معاف کردو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری نصیحت پہ عمل کروں۔ عظمت تم تو جانتے ہو میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں لیکن تمہاری دوستی نہیں۔ میرے دوست مجھے معاف کرو۔''

جمیل کے اکثر دوست یار اُس کی حرکتوں سے نالاں تھے بلکہ کچھ نے تو اُس کے ساتھ گھومنا پھرنا چھوڑ دیا تھا تاکہ بدنامی سے بچ سکیں۔ لیکن اب چونکہ جمیل نے عظمت سے معافی مانگ لی تھی اس لئے عظمت نے بھی فیصلہ کرلیا کہ وہ جمیل کا ساتھ نہیں چھوڑے گا بلکہ اُسے صحیح راستے پہ لانے کی کوشش کرے گا۔ ویسے بھی عظمت کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ جمیل کچھ کی نظروں میں لاکھ بُرا اُسہی لیکن وہ دل کا بہت اچھا انسان ہے۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے میں پیش پیش رہتا ہے۔ جہاں کہیں اور جب کہیں کوئی آفت یا مصیبت آن پڑے وہ مدد کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ فلاحی کاموں میں پوری طرح جُٹ جاتا ہے۔ صرف ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کمزوری ہے کہ جوں ہی کسی جوان خوبصورت لڑکی کو دیکھا بس پھڑک اُٹھے۔

اصل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر تخلیق میں توازن برقرار رکھا ہے ورنہ دنیا کا نظام غیر متوازن ہوگیا ہوتا اور یہ اصول قدرت کے نظام میں ہر بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی تخلیق پہ پوری طرح صادق آتا ہے۔ چونکہ قدرت کا نظام کائنات، زندگی یا کسی اور شعبے میں ہر لحاظ سے صحیح اور perfect ہے اس لئے یہ ہمارے یعنی بنی نوع انسان کے لئے میزان کی حیثیت رکھتا ہے۔ عظمت کے لئے جمیل کی شخصیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ لاکھ برائیوں کے باوجود جمیل میں کئی اچھائیاں تھیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عظمت نے کئی بار اُس سے کہا تھا کہ وہ کوئی اچھی لڑکی چُن لے جو کہ اُس کی زندگی کی ساتھی بن سکے۔ کیونکہ بقول عظمت کے اسکو جمیل کا ہر لڑکی کے پیچھے بھاگنا اچھا نہیں لگتا تھا لیکن جواب میں ہر بار جمیل نے بہت ہی عجیب جوابدیا تھا۔ جمیل بار بار کہتا۔ ''یار عظمت کیا کروں کسی کا قد اچھا لگتا ہے تو کسی کے بال۔ کسی کی آنکھیں بھلی لگتی ہیں تو کسی کے ہونٹ کسی کا رنگ اچھا لگتا ہے تو کسی کا جسم۔ کسی کی چال اچھی لگتی ہے تو کسی کی آواز غرضیکہ تمام خوبیاں مجھے کبھی کسی ایک لڑکی میں آج تک نظر نہیں آئیں۔ جس دن مجھے کوئی ایسی لڑکی ملے گی جس میں یہ سب تو نہیں لیکن ان میں سے اکثر خوبیاں ہوں یقین جانو میں اپنی یہ عادت چھوڑ دوں گا۔'' لیکن عظمت نے پھر نصیحت آموز لہجے میں جمیل کو سمجھایا اور کہا۔ ''یار خدا جانے تمہارا یہ شوق کہاں آکے ٹھہرتا ہے؟ مجھے تو ڈر ہے کہ اس شوق گلبوسی میں تم کہیں کانٹوں پہ زبان نہ رکھ دو۔ خدارا کسی دلدل میں نہ پھنس جانا۔'' ''ایسا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ میں اس معاملے میں بے حد محتاط ہوں۔'' جمیل نے پورے وثوق سے جوابدیا۔

آج آسمان اَبر آلود تھا کیونکہ رات بھر کی بارش نے نہ صرف سب کچھ بھیگا بھیگا کر دیا تھا بلکہ ہوا میں بھی خاصی خنکی بھر دی تھی۔ جمیل نے سوچا کہ عظمت کے آتے ہی کیوں نا آج کالج جانے کے بجائے کچھ اور پروگرام بنایا جائے۔ اُسے خیال آیا کہ بھلا ایسے رومانٹک ماحول

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں کون کالج میں اپنا وقت برباد کرے۔ ساتھ ہی اُسے یہ بھی یاد آیا کہ کل اُس کی بہن نجمہ دلی سے آنے والی ہے اور وہ جب تک یہاں رہے گی لڑمستی بند کرنا پڑے گا۔

جمیل کی بہن نجمہ عمر میں اُس سے دو سال بڑی تھی اور دہلی میں لیڈی میری کالج میں ہوم سائنس بی ایس سی فائینل ائر میں پڑھتی تھی۔ اُس نے کچھ دن پہلے فون پہ اطلاع دی تھی کہ وہ ہفتے بھر کیلئے چھٹیوں پہ گھر آرہی ہے۔

جمیل نے سوچا بہن کی موجودگی میں اپنی حرکات کو ہفتے بھر کیلئے ملتوی کرنا پڑے گا۔ چونکہ نجمہ آپا کل آرہی ہیں اس لئے آج کا دن مستی میں گذارا جائے۔ اُس نے ارادہ کرلیا کہ آج فلم دیکھنے کا پروگرام بنایا جائے اور پھر بعد میں ریذیڈنسی روڈ کے چکر۔ اتنی دیر میں عظمت بھی آگیا اور جمیل نے اُسے اپنے دل کی بات بتادی۔ عظمت نے بادلِ نخواستہ اپنے دوست کی بات مان لی اور دونوں کالج کی بجائے فلم دیکھنے سنیما ہال کی جانب چل پڑے۔

فلم دیکھنے کے بعد دونوں نے شہر کے چوک میں مین روڈ پہ LINZ ریستوران میں چائے پی اور پھر عظمت کے انکار کے باوجود ریڈیڈنسی روڈ پہ گھومنے نکل پڑے۔ اصل میں جمیل نے عظمت کو یہ اطلاع دی کہ کل نجمہ آپا آرہی ہیں اس لئے دوستی کا واسطہ دے کے اُسے ساتھ گھومنے پہ مجبور کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا عظمت نے حامی بھرلی اور دونوں گھومنے نکل پڑے۔ ابھی دونوں کچھ فاصلہ ہی چلے تھے کہ کافی دُور سے جمیل نے دو لڑکیوں کو آتے دیکھا اور اُس کی باچھیں کھل اُٹھیں۔ گو دور سے لڑکیوں کو ٹھیک سے پہچاننا ذرا مشکل تھا پھر بھی اُسے لگا اچھی ہی ہیں مگر اس سے پہلے کہ وہ اُنہیں ٹھیک سے دیکھ پاتا وہ دونوں جھٹ سے کسی دوکان میں گھس گئیں۔ اسلئے اُن کے دوکان سے باہر آنے تک جمیل اور عظمت بھی ذرا دور رُک گئے۔ جمیل خوش ہو کے عظمت سے مخاطب ہوا۔ ''لگتا ہے آج کوئی نیا پنچھی آیا ہے۔ چلو شُکر ہے کہ کل کو آپا کے آنے سے پہلے ہی ان نئی قیامتوں کے بھی دیدار ہو جائیں گے۔

یہ دونوں دوکان سے ذرا دوری پر فُٹ پاتھ پہ کھڑے ہو کے لڑکیوں کے دوکان سے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد دونوں دوکان سے باہر آئیں تو اُنہیں دیکھتے ہی جمیل کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی اور وہ پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اُسے لگا جیسے کسی نے زور دار طمانچہ اُس کے منہ پر دے مارا ہو۔ اُس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ''یہ کیا؟ نجمہ آپا؟ اسے تو کل آنا تھا۔ یہ آج..... اُوف میرے خدا!''

یہ سب اتنی جلدی ہوگیا کہ جمیل اور عظمت کو بھاگنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ نجمہ نے جونہی جمیل کو دیکھا تو وہ دوڑی دوڑی جمیل کے پاس آکے اُس سے لپٹ گئی۔ دراصل دونوں بہن بھائی کئی مہینوں بعد ایک دوسرے سے ملے تھے۔ جمیل نے ہمت کر کے تھرتھراتی ہوئی آواز میں بہن سے پوچھ ہی لیا۔ ''آپا آپ کو تو کل آنا تھا پھر بھلا آج ہی کیسے؟'' ''ہاں مجھے کل آنا تھا لیکن آج کیلئے Air Ticket سستے میں ملی تو میں نے سوچا کیوں نا ایک دن پہلے جائیں۔ اسلئے آج صبح کی فلائیٹ سے چلی آئی۔ کیوں دیا نا سرپرائز؟ تم کیسے ہو عظمت؟'' نجمہ نے پرجوش لہجے میں خوش ہو کے جوابدیا۔

''میں ٹھیک ہوں آپا۔ آپ کیسی ہیں؟'' عظمت بولا

جمیل کی حالت غیر تھی اور وہ مزید کچھ نہ بول پایا کیونکہ اُس کی آواز حلق میں اٹک کے رہ گئی تھی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پردہ اُٹھ رہا ہے

فضلو لوہار اور نندو نائی دونوں جھجر شہر کے جنوب میں ساتھ ساتھ کے دو محلوں میں رہتے تھے۔ دونوں لنگوٹیے یار تھے۔ نہ صرف ہمعصر تھے بلکہ تقریباً ہم عمر بھی تھے۔

فضلو لوہار یعنی فضل دین گو خاندانی لوہار تھا لیکن اپنے پیشے سے کوسوں دور۔ دراصل اُس کے باپ کرم دین نے اپنے خاندانی پیشے سے بغاوت کر کے محلے میں کریانے کی ایک چھوٹی سی دوکان کھولی تھی جو فضلو کے کاروبار سنبھالنے کے بعد اب خاصی بڑی دوکان بن چکی تھی۔ اس کاروبار کی تبدیلی کے باوجود کرم دین، کرما لوہار اور فضل دین، فضلو لوہار کے نام سے پورے علاقے میں مشہور تھے۔ کئی بار تو لوگ غلطی سے لوہاری کام کے لئے بھی فضلو کی دوکان پہ آجاتے تھے۔ فضلو نہایت خوش اخلاق اور باتمیز انسان تھا اور یہ بھی ایک وجہ تھی کہ اُس کی دوکان علاقے بھر میں مشہور تھی۔

نندو نائی یعنی نند کمار کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا وہ ایک خاندانی نائی ہونے کے باوجود ایک مقامی پرائیویٹ سکول میں چپراسی تھا۔

جب فضلو اور نندو دونوں آٹھویں جماعت کے امتحان میں لگاتار دو سال فیل ہوتے گئے تو کرم دین نے اپنے بیٹے فضل دین عرف فضلو کو اپنی دوکان پہ بٹھا دیا۔ نندو نے بھی سکول جانا چھوڑ دیا اور ایکدم بیکار ہو گیا۔ وہ اب بیشتر وقت فضلو کیساتھ اُس کی دوکان پہ گذارتا تھا اور باقی وقت آوارہ گردی میں ضائع کرتا۔ آخر کرم دین نے نندو کے باپ سے کہا کہ اپنے سکول

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے ارباب اختیار سے کہہ کے بیٹے کو سکول میں لگوادو ورنہ لڑکا بگڑ جائیگا۔ اس لئے کرم چند نے پرنسپل سے منت سماجت کر کے اپنے بیٹے کو بھی اپنے ہی سکول میں چپراسی لگوادیا۔ سکول چپراسی نند کمار اپنے علاقے میں نندونائی کے نام سے مشہور تھا۔

نوکری لگنے کے باوجود نندو ہر روز صبح اور شام کا وقت اپنے جگری یار فضلو کی دکان پہ گذارتا تھا اور چھٹی کا دن تو پورے کا پورا فضلو کی دوکان پہ گذر جاتا تھا۔

دوسرے علاقوں کے اکثر لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ فضلو مسلمان ہے اور نندو ہندو ہے وہ تو ان دونوں کو بھائی یا قریبی رشتہ دار سمجھتے تھے کیونکہ کئی بار تو دوکان پہ اکیلا نندو ہی ہوتا تھا جو باقاعدہ چیزیں بیچتا تھا۔

نندو کے گھر میں ماں باپ کے علاوہ ایک چھوٹا بھائی اور ایک چھوٹی بہن تھی جو سکول میں بالترتیب پانچویں جماعت اور تیسری جماعت میں پڑھتے تھے۔ فضلو کے گھر میں والدین کے علاوہ ایک چھوٹا بھائی تھا جو ابھی پانچویں کلاس میں پڑھتا تھا۔

فضلو اور نندُو کی دوستی کو دیکھ کے اکثر لوگ رشک کرتے تھے لیکن علاقے میں لوگوں کا ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو خود ساختہ دیندار اور قوم پرست تھے جنہیں یہ دوستی کھلتی تھی اور وہ حسد اور غصے کی آگ میں اندر ہی اندر جلتے تھے۔ دراصل انسانی فطرت ہی عجیب چیز ہے۔ اکثر لوگ کسی کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے اور دل پسیج جاتا ہے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن سے دوسروں کی دوستی، ترقی یا خوشحالی برداشت نہیں ہو پاتی۔

لیکن فضل دین اور نند کمار الگ الگ مذاہب کے ہونے کے باوجود اس سوچ سے بالاتر تھے۔ اُن کے گھرانوں کو بھی اس کی ذرہ بھر پرواہ نہیں تھی بلکہ دونوں گھرانوں کے تعلقات دن بدن مستحکم ہوتے جارہے تھے۔

کچھ عرصے بعد دونوں دوستوں کی شادیاں بھی تقریباً ساتھ ساتھ ہوئیں اور دونوں گھرانوں نے ایک دوسرے کی شادی میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔ اب دونوں کی بیویاں بھی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آپس میں سہیلیاں بن گئیں اور ایک دوسرے کے گھر آنا جانا پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔

دونوں گھرانے ایک دوسرے کے تیوہار مل جُل کے مناتے تھے۔ سوائے مذہبی فرائض کے دونوں گھرانوں کا طور طریق اور رہن سہن تقریباً ایک جیسا تھا۔ ان دونوں گھرانوں کے طریقِ زندگی میں دراصل اُن کے ماں باپ کا اہم رول تھا جنہوں نے شروع سے ہی ایسی تربیت دی تھی جس میں بچپن سے اُنہیں احساس دیا گیا تھا کہ انسانی رشتہ سب سے افضل ہے اور اس میں مذہب فرقے یا طبقے کی اہمیّت بعد میں ہے۔

فضلو نے پیشے کی تبدیلی کے باوجود کبھی اس بات پہ اعتراض نہیں کیا کہ لوگ اُسے لوہار کہہ کے پکارتے ہیں۔ اُسے پورا احساس تھا کہ وہ خاندانی لوہار ہے اور نمک، چائے، تیل وغیرہ بیچنے سے اُس کی بنیاد بدل نہیں سکتی۔ اُسے فخر تھا کہ لوگ اُسے فضلو لوہار پکارتے ہیں۔

یہی حال نند کمار کا تھا۔ اُسے بھی نندو نائی کہے جانے پہ کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ فخر تھا کہ وہ اپنے دادا جان کے پیشے کی وساطت سے جانا جاتا ہے۔

کم تعلیم اور غریب گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود نندو نائی اور فضلو لوہار کے خیالات بہت بلند تھے۔ اُن کی سوچ فرقہ پرستی، توہم پرستی اور تنگدستی سے بالاتر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کی دوستی نہ صرف قائم و دائم رہی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید مستحکم ہوتی گئی۔ دونوں دوستوں کے گھر کے افراد، چھوٹے بہن بھائیوں اور دیگر لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا، آپسی تعلقات اور میل جول کو دیکھ کے لگتا تھا جیسے قریبی رشتہ دار ہوں۔

اچانک ملک میں انقلاب آیا۔ انتخابات میں ایک پارٹی واضع اکثریت سے جیت گئی اور اُس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی ملک میں فرقہ پرستی کو ہوا دی۔ دراصل اس پارٹی نے فرقہ پرستی کو بنیاد بنا کے ہی انتخابات جیتے تھے۔ بس پھر کیا تھا اس پارٹی نے حکومت کی آڑ لے کے اپنا ایجنڈا مسلط کرنا شروع کر دیا۔ نئی حکومت نے سیکولرازم کے معنی بدل ڈالے۔ تعصب آہستہ آہستہ سیکولرازم کے پردے سے باہر آنے لگا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حکومتِ وقت کی پُشت پناہی اور شہہ پہ متعصب اور فرقہ پرست لوگوں کو کھلی چھوٹ مل گئی اور وہ کھلے عام اقلیتوں اور نیچی ذات کے لوگوں کو ہراساں کرنے لگے۔ یہ فرقہ وارانہ اور تعصبی وباء تیزی سے پورے ملک میں پھیلنے لگی۔ حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی اور نظم و ضبط لاگو کرنے والے ادارے خاموش تماشائی بنے بیٹھے تھے۔ اقلیتوں اور پچھڑی ذات کے لوگوں کا جینا مشکل ہو رہا تھا۔

لاکھ وسیع القلبی، دوستی اور محبت کے باوجود فضلو لوہار اور نندو نائی بھلا اس بیماری سے کیسے بچ سکتے تھے؟ بدلتے حالات کے پیشِ نظر دونوں گھرانوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا کم ہونے لگا۔ بچوں نے بھی ملنا جلنا کم کر دیا۔ بزرگ لوگ خاموش تماشائی بن گئے۔ اُنہیں محسوس ہونے لگا جیسے برسوں کی روایات اور بھائی چارے میں دراڑیں پڑنے لگی ہیں لیکن وہ دخل دینے سے قاصر تھے۔

فضلو اور نندو جو ایک دن بھی ایک دوسرے سے ملے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اب کئی کئی دن ایک دوسرے سے ملتے نہیں تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا کم ہوتا گیا۔

کچھ کچھ جانتے ہوئے بھی دونوں نے اس غیر معمولی تبدیلی کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔

ایک دن جب کئی ہفتوں کے بعد نند کمار عرف نندو نائی فضل دین عرف فضلو لوہار کی دوکان پہ آیا تو فضلو کی خوشی کی انتہا نہ رہی تو اُس نے پوچھ ہی لیا۔ ''کیا بات ہے نندو اب تم کئی کئی دن اِدھر کا چکر نہیں لگاتے؟ کوئی ناراضگی ہے کیا؟ کیا ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے؟''

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس یونہی کام میں مشغول رہتا ہوں۔ فرصت ہی نہیں ملتی۔'' نندو نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

''نہیں یار کوئی وجہ تو ہے۔ بھابھی اور بچوں کو دیکھے ہوئے بھی تو کافی دیر ہوگئی۔ میں دو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بار بیوی بچوں کو لے کے اتوار کے دن تمہارے گھر آیا پر دونوں بار گھر میں تالہ لگا ہوا تھا۔ شائد آپ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے'' فضلو نے پھر پوچھا۔

''نہیں کوئی وجہ نہیں۔ اصل میں چھٹی کے دن بیوی بچوں کو گھمانے لے جاتا ہوں اسلئے مل نہیں سکا۔'' نندو نے پھر بات ٹال دی۔

''تو پھر لگتا ہے کسی نے یہاں آنے سے منع کیا ہے۔ تم ضرور کچھ چھپا رہے ہو سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے'' فضلو نے پھر اصرار کیا۔

آخر نندو نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔'' یار ہماری برادری والے مجھے تم اور تمہارے گھر والوں سے ملنے کو منع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں آپ لوگوں سے میل جول نہ رکھوں۔''

فضلو نے محسوس کیا کہ ملک میں سیکولرازم کا پردہ سر کنے لگا ہے اور فرقہ پرستی کا گھناونا چہرہ بے نقاب ہونے لگا ہے۔ اس وباء کو پھیلنے سے روکا نہ گیا تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہونگے۔

فضلو لوہار نے بے حد جذباتی ہو کے پوچھا۔'' تو پھر تم نے کیا سوچا ہے کہ کیا تم اب کبھی مجھ سے نہیں ملو گے؟''

نندو نائی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلدیا اور فضلو سوچ میں گم ہو گیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بھگوان کی مرضی

ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اپنی بڑی بڑی موچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے مادھورام سے پوچھا۔'' کیوں کیسا رہا آج کا دن مادھو؟ اور سکور کیا ہے؟''

''سر آج سوریہ میں 'ایم' پانچ اور 'این' تین۔'' مادھورام نے جواب دیا۔ 'ایم' اور 'این' کوڈ لفظ تھے جو بڑی اقلیت اور نیچی ذات کے لوگوں کیلئے استعمال کئے جاتے تھے۔''ہوں۔ یہ بتاؤ کہ چار ہسپتالوں میں اب تک کا سکور کیا ہے؟'' ٹھاکر نے پھر وضاحت چاہی۔ مادھو نے کاپی کھول کے بتایا کہ ''جو details اب تک میرے پاس پہنچی ہیں اُن کے انوسار کُل سکور سات سو اُنسٹھ ہے یعنی 'ایم' چھ سو نو اور 'این' ایک سو پچاس''۔

''ٹھیک ہے۔ مگر مادھو اس بات کا خاص خیال رہے کہ اس منصوبے کا کسی کو کانوں کان پتہ نہیں چلنا چاہیئے''۔ ٹھاکر نے راز داری اور نصیحت آموز لہجے میں مادھورام سے کہا۔

مادھورام نے ٹھاکر کو اطمینان دلاتے ہوئے بتایا۔''ٹھاکر مہودے ابھی تک سب کار روائی پلان کے مطابق چل رہی ہے اور بھگوان کی دَیا اور متروں کی ساہتا سے آگے بھی ٹھیک چلتی رہے گی۔ سارا شک ہسپتالوں کے عملے کی کوتاہیوں پہ ہو رہا ہے۔ کہیں کہیں پہ تو نزلہ انچارج ڈاکٹر اور سپلائیرز پہ گر رہا ہے۔ سر ہمارے کام کرنے والے لوگ بہت وفادار ہیں اور پلان کی نزاکت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ابھی تک ہمارے کسی بھی آدمی پہ شک کی انگلی نہیں اُٹھی ہے۔ میڈیا کے کچھ لوگوں کا اگر یونہی ساتھ رہا تو ہمارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سکتا۔ ہاں۔ اب ایک مشکل آن پڑی ہے ان لوگوں نے اپنے بچے سرکاری ہسپتالوں میں داخل کرانا کم کر دیا ہے۔

''اس معاملے میں کوئی زور زبردستی نہ کی جائے اور نا ہی کسی کو اپنے بچے سرکاری ہسپتالوں میں داخل کروانے کیلئے مجبور کیا جائے۔ ایسا کرنے سے لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے اور ہمارے لئے چنتا بڑھ جائے گی۔'' ٹھاکر نے مادھو کو سمجھایا۔ ''آپ بے فکر رہئے ٹھاکر صاحب ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اچھا تو میں چلتا ہوں۔ آپ کو اطلاع دیتا رہوں گا۔'' یہ کہہ کر مادھو رام چل دیا۔

پلان یوں تھا کہ ٹھاکر اور اُس کے کارندوں نے سرکاری ہسپتالوں کو سپلائی کرنے والے آکسیجن ڈیلروں کے کچھ مخصوص لوگوں کو پھانس لیا تھا تاکہ ہسپتالوں کی آکسیجن سپلائی کو تاخیر سے بھیجا جائے۔ مزید لائف سیونگ ادویات بھی وقت پہ نہ پہنچنے پائیں۔ اس کام کیلئے اُنہوں نے نہ صرف آکسیجن اور ضروری ادویات سپلائی کرنے والے کچھ مخصوص افراد کو اپنے نرغے میں پھنسایا تھا بلکہ ہسپتالوں کے عملے اور میڈیا کے کچھ لوگوں کو بھی وہ اس جھانسے میں لا چکے تھے۔

اندھیر نگری میں نئی پارٹی نے حکومت سنبھالتے ہی مرکز اور ریاستوں میں کلیدی عہدوں پہ اپنے مخصوص اور چیدہ چیدہ لوگوں کو تعینات کر دیا اور سلسلہ وار طریقے سے اقلیتوں اور نچلی ذات کے لوگوں کی آبادی کم کرنے کے منصوبے مرتب کئے گئے۔ اُن کا خیال ہے کہ اندھیر نگری کو صرف ایک مخصوص مذہب اور طبقے کے لوگوں کا ملک بنایا جائے۔ اپنے پلان کو عملی جامہ پہنانے کیلئے نیا پروگرام مرتب کیا گیا جو کچھ مہینوں سے رواں دواں ہے۔ اُن کے مطابق یہ پلان فی الوقت زیادہ فائدہ مند نہ ہو لیکن اس کی کامیابی کئی سال بعد سامنے آئے گی۔

مرکزی کمان کہ شہہ اور خفیہ ہدایت کے پیشِ نظر مرکزی پارٹی والی ریاستی حکومتوں نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اونچی سطح پر یہ فیصلہ کرلیا کہ اقلیتی طبقے اور نچلی ذات کے لوگوں کے چھوٹے بچوں اور بالخصوص نوزائدہ بچوں کو ہسپتالوں میں داخل ہوتے ہی کچھ خاص طریقے سے مروادیا جائے تاکہ کسی پہ شک کی انگلی نہ اُٹھے۔ اس سے اُن کی آنے والی نسلیں خود بخود گھٹتی جائیں گی۔ مزید اکثریتی طبقے کو منظّم کیا جائے۔ یہ فیصلہ لیا گیا کہ کچھ دیرینہ اثر ورسوخ رکھنے والے اور وفادار پارٹی ورکروں کو اس کام پہ مامور کیا جائے۔ اور یہ بھی طے ہوا کہ اگر یہ تجربہ ایک ریاست میں کامیاب ہوا تو اسے دوسری ریاستوں میں بھی پھیلایا جائے۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ریاست کے مشہور سرغنہ ٹھاکر شمشیر سنگھ جو کہ پارٹی کا وفادار تھا، کا سہارا لیا گیا۔ ٹھاکر کے ہاتھ کئی بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ حکومت اور پارٹی کی پُشت پناہی کی بدولت وہ اکثر جرائم سے بچ نکلا تھا۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ کے زیرسایہ مادھو رام جیسے کئی لوگ اور تھے جو دوسرے شہروں میں رہتے تھے اور ٹھاکر کے ٹکڑوں پہ پلتے تھے۔ اپنے ہر کام کو صیغۂ راز میں رکھنے کیلئے ٹھاکر نے مختلف کارندوں کی حرکات کو ایک دوسرے سے چھپا رہتا تھا۔ سب اوچھے کام چھوٹے چھوٹے گروپس سے کروائے جاتے تھے اور ایک گروپ کو دوسرے گروپ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

ٹھاکر نے اپنا اور اپنی تنظیم کا ڈھنڈورا پیٹنے کیلئے کچھ نیک کام بھی اپنے ہاتھ میں لئے تھے جیسے یتیم و نادار بچوں کی پرورش اور پڑھائی کا خرچہ، یتیم لڑکیوں کی شادی، ہر سال تہواروں پہ غریب لوگوں کو تحفے وتحائف دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اسلئے تھا تاکہ عام لوگوں کی نظروں میں ٹھاکر غریب پرور اور نیک سمجھا جائے۔

ٹھاکر کو اپنا دھندا چلانے کیلئے نہ صرف پارٹی سے خوب مالی مدد ملتی تھی بلکہ بہت سے بڑے ادارے بھی اُس کی مدد کرتے تھے۔ اُس نے اپنا کاروبار بہت سی ریاستوں میں پھیلا رکھا تھا۔ کئی شہروں میں اُس کے بڑے بڑے مال، ہوٹل، پیٹرول پمپ اور مکانات تھے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جہاں سے اُس کی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔

ٹھاکر شمشیر سنگھ ادھیڑ عمر کا لمبا تڑنگا آدمی تھا جو دیکھنے میں خاصہ خوفناک دکھتا تھا۔ بیوی کچھ سال پہلے مر چکی تھی۔ دو شادی شدہ لڑکے تھے جو اُس کے پھیلے ہوئے کاروبار کو چلا رہے تھے اور دوسرے شہروں میں الگ سے رہتے تھے ایک بیٹی بھی تھی جو شادی شدہ تھی اور اپنے خاوند اور دو بچوں کے ساتھ دوسرے شہر میں رہتی تھی۔ خود ٹھاکر محل نما حویلی میں اکیلا رہتا تھا ہاں البتہ ساتھ میں پانچ نوکر، دو ڈرائیور، دو خانساماں، دو بارمین، چار چوکیدار اور آٹھ سیکورٹی گارڈ ہمیشہ گھر میں موجود رہتے تھے۔ اپنی کوٹھی کے وسیع احاطے میں ان سب کے رہنے کا الگ انتظام تھا۔

ٹھاکر شمشیر سنگھ نے اپنے ایک خاص معتمد دوست دنیش کاکڑ کو نام نہاد گئو ماتا کی رکھشا کیلئے چند بے کار لفنگے اور مفت خورے نوجوانوں کی ٹولی بنانے کو کہا۔ یہ گئو رکھشک پچھلے دو سالوں سے ملک کے کئی شہروں میں پھیل چکے تھے۔ یہ لوگ گائے کو بچانے کی آڑ میں کئی غیر قانونی دھندوں میں ملوث تھے اور ان کا کام تھا کہ ایک مخصوص طبقے کے لوگوں میں خوف و دہشت پھیلانا اور گائے کے گوشت و پوست سے منسلک دھندے والوں کو معاشی طور پست کر دینا۔ ان نام نہاد گئو رکھشکوں نے طاقت کے بل بوتے پر اور حکومتوں کی پشت پناہی کی بدولت کئی لوگوں پر جھوٹے الزامات لگا کر جان سے مار دیا تھا۔

ٹھاکر کی کوششوں کے باعث اور حکام کی پشت پناہی کی وجہ سے اُس کا یہ کام بھی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بخوبی چل رہا تھا۔ ٹھاکر شمشیر سنگھ کو ہر ہفتے مادھو رام سے بچوں کی اموات کے اعداد شمار مل جاتے تھے اور دنیش کاکڑ بھی کوڈ زبان میں گئو رکھشک پارٹی کے کارناموں کی تفصیل بتا دیتا تھا۔ اور ٹھاکر یہ تمام تفاصیل اوپر تک پہنچا دیتا تھا۔ اعلیٰ حکام اُس کے کام سے نہ صرف مطمئن تھے بلکہ بے حد خوش تھے۔

حسبِ معمول آج بھی ٹھاکر اپنے ڈرائینگ روم میں بڑے گاؤ تکیوں سے ٹیک لگا کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دیوان پہ بیٹھا مار پیچی حقے سے کش لگا رہا تھا اور سامنے کرسیوں اور فرش پہ بیٹھے کئی لوگ اُس کے جھوٹے کارناموں پہ تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے۔ اور ٹھاکر اپنی تعریفیں سُن کے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ وہ سب یک زبان ہو کے کہہ رہے تھے کہ ''ٹھاکر آپ ہمارے اَن داتا ہیں۔ آپ ہی ہماری سرکار ہیں۔ جب تک ہمارے سر پر آپکا ہاتھ ہے ہمیں کوئی فکر نہیں۔'' ٹھاکر بھی اُنہیں یقین دلا رہا تھا کہ جب کسی چیز یا کام کی ضرورت ہو وہ ہر ممکن کوشش کرے گا کہ کام پورا ہو۔ اسی دوران اُسے مرکز سے فون آیا اور اُسے کہا گیا کہ مرکز اور سرپرست تنظیم اُس کے کام سے خوش ہیں۔ مگر بیٹھے ہوئے لوگوں کی موجودگی میں ٹھاکر فون پہ ایسے بول رہا تھا کہ اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کس سے بات ہو رہی ہے اور کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔ اصل میں غلط کاموں کے باوجود ٹھاکر کی کامیابی کا راز ہی یہی تھا کہ اُس نے اپنے ہر کام کو انتہائی راز داری سے انجام دیا تھا۔ ہر کسی کے کام کو دوسرے سے پوشیدہ رکھا تھا۔

کچھ دیر بعد سب لوگ ایک ایک کر کے چلدیئے اور اب صرف دروازے پہ پہرہ دینے والے باڈی گارڈ ہی رہ گئے کیونکہ ٹھاکر سے ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔

شام کو حسبِ معمول ٹھاکر شمشیر سنگھ نہانے کے بعد اپنے پرائیویٹ بار میں بیٹھ گیا اور اُس کے بارمین نے سکاچ وہسکی کا بڑا پیگ گلاس میں ڈالکے سامنے میز پر رکھ دیا اور سوڈا، آئیس بکس وغیرہ بھی سامنے رکھ دیئے۔ اُس نے خود ہی پیگ میں سوڈا اور برف ملا دیئے اور آہستہ آہستہ چسکیاں لینے لگا۔

ٹھاکر کے پرسنل بار میں سوائے چند خاص دوستوں اور کچھ معتمد لوگوں کے کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ویسے بھی وہ شام کو اپنے بار میں شراب اکثر اکیلے ہی پیا کرتا تھا۔ اگر ایسے وقت میں کوئی خاص مہمان آجائے تو اُسے بیٹھک میں بٹھا دیا جاتا تھا ورنہ عام لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ ٹھاکر صاحب پُوجا میں مشغول ہیں اسلیئے اب مل نہیں سکتے۔ فون بھی اس دوران بند کر دیئے جاتے تھے بس صرف ایک پرسنل موبائیل فون آن رہتا تھا جس کا نمبر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صرف چند خاص اور قریبی لوگوں کے پاس تھا۔

وہ اب سامنے دیوار پہ لگے بڑے ٹی۔وی پر خبریں بھی دیکھ رہا تھا۔اسی دوران موبائیل فون کی گھنٹی بجی۔دیکھا دوسری جانب مادھورام تھا۔''سر پچھلے ہفتے میں مزید ایک سو دس بڑھ گئے ہیں۔جن میں 'این' بیس ہیں اور باقی سب 'ایم' ہیں۔باقی سب کام ٹھیک طرح سے چل رہا ہے۔''

ٹھاکر نے مادھو کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔''گڈ۔کام جاری رکھو۔صرف راز داری کا خیال رکھنا۔کیونکہ یہ معاملہ نہایت نازک ہے۔''

''آپ بے فکر رہئے۔ہم نے راز داری کا پورا پورا خیال رکھا ہے''۔مادھورام نے ٹھاکر کو پورا یقین دلایا۔

''اور ہاں مادھو کوڈ الفاظ 'ایم' اور 'این' کبھی کسی کو پتہ نہ چلیں''۔ٹھاکر نے مادھو سے زور دیکے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا۔آپ پورا بھروسہ رکھیں''۔

ٹھاکر شمشیر سنگھ خوش تھا کہ ہر کام خوش اصلوبی سے ہو رہا ہے اور اُمید سے کہیں زیادہ اچھا ہو رہا ہے۔ٹھاکر نے بار مین سے پھر پیگ بنانے کو کہا۔وہ اب تک چار بڑے پیگ پی چکا تھا اور شراب کے نشے نے ذہن پر غلبہ پالیا تھا۔رات کے بارہ بج رہے تھے اور وہ پانچواں پیگ پی رہا تھا کہ اچانک پھر فون کی گھنٹی بجی۔

فون اُٹھا کے دیکھا تو حیران رہ گیا۔یہ کیا نرملا، اُس کی بیٹی کا فون؟ اتنی رات گئے؟''ہیلو بیٹی خیریت تو ہے نا؟''ٹھاکر نے حیرانگی سے پوچھا۔

دوسری جانب نرملا دھاڑیں مار مار کے رو رہی تھی۔''پتا جی رینکو ہمیں چھوڑ کے چلا گیا۔ہائے اب میں کیا کروں؟ اُسے کہاں سے لاؤں؟''

رینکو اُس کی بیٹی نرملا کا دو سال کا بیٹا تھا جو اپنے نانا شمشیر سنگھ کی جان تھا۔ٹھاکر نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پریشانی کے عالم میں پوچھا ''کیا ہوا اُسے؟ کہاں گیا وہ؟''

''پتا جی رینکو کو پرسوں ڈینگو بخار ہو گیا اس لئے ڈاکٹر کے کہنے پہ میں نے اُسے پاس والے سرکاری ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ وہاں اُسے ICU میں رکھا گیا لیکن آکسیجن وقت پہ نہیں آیا جس کے کارن کئی بچے مر گئے اور ہمارا رینکو بھی بھگوان کو پیارا ہو گیا۔ اب میں کیا کروں؟ منوہر تو بالکل پاگل ہو گیا ہے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ اُسے بتایا گیا ہے کہ آکسیجن کا وقت پہ نہ آنا ایک سازش ہے اب منوہر کہتا ہے کہ میں یہ پتہ لگا کے ہی رہوں گا۔ پتا جی آپ جلدی آیئے پلیز''۔ نرملا روتے روتے ہلکان ہو رہی تھی۔

ٹھاکر کے ہاتھ سے وہسکی کا گلاس گر گیا اور اُس نے چلا کے آواز دی اور ڈرائیور سے گاڑی تیار رکھنے کو کہا۔ ہمیں ابھی رام نگر جانا ہے۔ رام نگر کوئی دو سو کلومیٹر دور تھا جہاں اُس کی بیٹی رہتی تھی۔

نکلنے سے پہلے اُس نے پھر فون ملا کے بیٹی سے کہا'' دھیرج رکھو نرملا اور منوہر کو بھی دلاسہ دو اور اُس سے کہو میرے آنے تک کوئی غلط قدم نہ اُٹھائے۔ بھگوان کی مرضی کے آگے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔'' یہ کہہ کر وہ پوری سیکورٹی کے ساتھ رام نگر روانہ ہو گیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نئی دنیا۔ سُہانے خواب

کوئیل کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک دن وہ اپنا شہر تو کیا سات سمندر پار انگلستان پہنچ جائے گی۔ اُس کی کئی پشتوں میں شائد ہی کوئی اپنے شہر سے باہر نکلا تھا۔ لیکن قدرت نے اُس کی زندگی کے آب و دانے دُور دُور تک پھیلا رکھے تھے۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اگر ماں نے اُس دن بہت مجبور نہ کیا ہوتا اور میرے بچپن کے خیالات کی پرواہ کی ہوتی تو شائد میں آج یہاں نہ ہوتی۔ کلثوم آنٹی کے اصرار کے آگے ماں کی ایک نہ چلی اور وہ مجھے یہاں بھیجنے کیلئے مجبور ہوگئی۔ اب کئی سال بیت جانے کے بعد میں جوان ہو چکی ہوں اور سوچ رہی ہوں کہ اچھا ہوا ماں نے زبردستی مجھے یہاں بھیج دیا۔

کوئیل مہرن موسی کی اکلوتی اولاد تھی۔ جب وہ سات سال کی تھی تو باپ ایک موذی مرض کا شکار ہو کے اللہ کو پیارا ہو گیا۔

مہرن جسے سب مہرن موسی کہہ کے پکارتے تھے سردار سکندر خان کے گھر میں آیا تھی۔ وہ چھوٹی عمر سے ہی سکندر خانصاحب کے گھر میں بطور ملازمہ آئی تھی۔ چونکہ اُس کا کوئی والی وارث نہیں تھا اسلئے خانصاحب نے اُسے مستقل طور پہ گھر میں رکھ لیا تھا اور جب ذرا جوان ہوئی تو اُس کی شادی علی لوہار سے کر دی گئی اور رہنے کیلئے حویلی سے دُور اپنے ہی باغ میں دو کمروں، کچن اور باتھ روم پہ مشتمل ایک چھوٹی سی انیکسی دیدی۔

سردار سکندر خان کا شمار شہر کے بڑے جاگیرداروں میں ہوتا تھا۔ اُن کی بھی اکلوتی اولاد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی۔ایک لڑکا تھا سریر محمد خان جسے اُنہوں نے اچھے سکول اور کالجوں میں پڑھا کے ایک اچھا ڈاکٹر بنوایا تھا جواب شہر کے ایک ہسپتال میں ڈاکٹر کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

سکندر خانصاحب اور اُن کی اہلیہ نے مہرن اور اُس کی بچی کو نہ صرف رہنے کیلئے گھر دے رکھا تھا بلکہ ان دونوں ماں بیٹیوں کے لئے کھانے پینے، کپڑے پوشاک اور زندگی کی دوسری ضروریات کی ذمہ داری بھی لے رکھی تھی۔بس یوں سمجھئے مہرن اور اُس کی بیٹی بھی خانصاحب کے گھرانے کے افراد سمجھے جاتے تھے۔

کوئیل کو اچھے سکول میں داخل کرایا گیا اور اُس کی پڑھائی کا خرچہ بھی اب خانصاحب ہی ادا کرتے تھے۔چونکہ مہرن اور اُس کی بچی کے سب اخراجات خانصاحب ادا کرتے تھے اس لئے وہ بھی اپنے کام کا کوئی بھی معاوضہ اُن سے نہیں لیتی تھی۔

کچھ سال بعد ڈاکٹر سریر کی منگنی لولاب کے ایک زمیندار گھرانے میں ڈاکٹر کلثوم سے کر دی گئی۔ڈاکٹر کلثوم بھی اپنے علاقے کے ایک سرکاری ہسپتال میں بحیثیت ڈاکٹر کام کر رہی تھی۔منگنی کی رسم بڑے دھوم دھام سے منائی گئی۔شہر کے بڑے بڑے روساء آفیسران اور حکومتِ وقت کے بہت سے منسٹر صاحبان نے شرکت کی۔چونکہ یہ سکندر خانصاحب کے گھرانے میں پہلی خوشی تھی اس لئے اُنہوں نے اس رسم کو نہایت تزک واحتشام سے منایا اور مہمانوں کی آؤ بھگت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

کوئی ڈیڑھ سال بعد خوب بارشوں کے باعث سارا شہر ایک خوفناک سیلاب کی زد میں آ گیا اور شہر کی بیشتر بستیاں اور علاقے پوری طرح زیرآب ہو گئے۔سکندر خانصاحب کا گھر بھی اس قہر سے بچ نہیں پایا۔سیلاب اسقدر اچانک اور بھیانک تھا کہ تقریباً سارا مال وزر اس طوفان میں بہہ گیا۔بیٹے کی شادی کے لئے جو بھی سامان وغیرہ لایا تھا سب پانی کی نذر ہو گیا اور کچھ بھی بچ نہیں پایا۔مالی نقصان تو خیر برداشت کر لیا تھا مگر جانی نقصان نے خانصاحب کی کمر توڑ دی۔ان کی اہلیہ سامان بچانے کے چکر میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔تین دن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بعد اُسکی لاش مکان سے کوئی ایک کلومیٹر دور ملی اور وہ بھی تب جبکہ سیلاب کا دباؤ تھم چکا تھا اور پانی کی سطح کم ہو چکی تھی۔

اب گھر میں صرف سکندر خان، اُنکا بیٹا ڈاکٹر سریر خان، مہرن اور اُس کی بیٹی کوئیل رہ گئے تھے۔ خانصاماں، ڈرائیور، مالی اور دوسرے ملازمین بھی سیلاب کے دوران گھر چھوڑ کے چلے گئے تھے۔ وہی حویلی جسے دیکھ دیکھ کے لوگ رشک کرتے تھے اور جہاں سے کوئی بھی حاجت مند یا ضرورتمند خالی ہاتھ لوٹکے واپس نہیں جاتا تھا آج ویران پڑی تھی۔ خانصاحب کی فراخدلی اور اُن کی بیگم کی دریادلی کے سبب کئی گھرانے آباد ہو گئے تھے اور کئی اب بھی برابر پل رہے تھے مگر اب بیگم کی جدائی نے خانصاحب کی کمر توڑ دی تھی۔ وہ ایک لمحے کیلئے بھی اُسے بھلا نہیں پایا تھا۔ دراصل سکندر خان اب عمر کی اُس حد میں پہنچ چکا تھا جب شریک حیات کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ بوڑھی عورت تو جوں توں کر کے جی لیتی ہے مگر بیوی کے چلے جانے کے بعد بوڑھا مرد بے بس ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی ضرورت ہو تو کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتا اور اگر خوانخواستہ جسمانی طور سے کمزور یا dependent ہو جائے تو اُس کی حالت قابل رحم ہو جاتی ہے۔ سکندر خان کی حالت قدرے بہتر تھی اسلئے ابھی وہ محتاج نہیں تھا۔ ہاں البتہ بیگم کی جدائی کی وجہ سے اب اس کی صحت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر سریر نے دن رات محنت کر کے حویلی کو ٹھیک کروا کے اپنی پرانی صورت میں پھر سے تیار کروایا تھا۔ اور اسی دوران خانساماں، ڈرائیور اور مالی پھر سے واپس آ گئے تھے۔

ڈھلتی عمر اور گرتی صحت کے باعث سکندر خان بیٹے سے شادی کیلئے برابر اصرار کر رہا تھا۔ شائد اس کے پسِ پردہ اُس کا اکیلا پن بھی تھا۔ گو ڈاکٹر سریر ابھی ذہنی طور شادی کے لئے تیار نہیں تھا مگر حالات کے پیشِ نظر اور باپ کی خوشی کیلئے بالآخر اُس نے شادی کیلئے حامی بھر لی۔ اس لئے ڈاکٹر سریر خان نے اپنے ایک دُور کے رشتے دار کے ذریعے اپنے والد سکندر خان کی طرف سے لڑکی والوں کو شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے لئے کہلا بھیجا تا کہ جلد از جلد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شادی کی جائے۔لڑکی والوں سے یہ بھی کہا گیا کہ رخصتی نہایت سادہ طریقے سے انجام دی جائے کیونکہ بیگم صاحبہ کو گذرے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے اور بڑے خانصاحب کی صحت بھی ٹھیک نہیں۔

کوئی دو مہینے بعد ڈاکٹر سریر خان کی شادی ڈاکٹر کلثوم کے ساتھ نہایت سادگی سے انجام دی گئی۔ رشتے دار اور لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس لڑکے کی منگنی سکندر خان نے خوب دھوم دھام سے کی تھی اُس کی شادی اتنی سادگی سے ہوگی۔ گولڑکی والے چاہتے تھے کہ شادی دھوم سے کی جائے مگر ڈاکٹر سریر سادہ شدی کیلئے بضد تھے۔

ڈاکٹر کلثوم نے آتے ہی بحثیت بہُو کے گھر کا سارا کام کاج سنبھال لیا ڈاکٹر سریر نے اپنی بیوی کو ہر نوکر اور ملازم کے بارے میں بتادیا مگر اُسے یہ بھی بتادیا کہ حالانکہ مہرن موسی گھر کی ملازمہ ہیں لیکن اُسے ہمیشہ گھر کا فرد سمجھا جاتا ہے۔ ہم سب اُسے موسی کہہ کے پکارتے ہیں۔ اُس کے اور اُس کی بیٹی کے تمام اخراجات والد صاحب ہی برداشت کرتے ہیں۔ مکان کے عقب میں دور باغ کے کنارے وہ چھوٹا سا دو کمروں والد گھرامی اور ابا حضور نے مہرن موسی اور اُس کی بیٹی کوئیل کو رہنے کیلئے دیا ہے۔ ڈاکٹر سریر نے اپنی بیوی ڈاکٹر کلثوم کو مزید بتایا کہ مہرن موسی کا ہم لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے اس لئے ہمیں نہ صرف ماں بیٹی کا پورا خرچہ برداشت کرنا ہوگا بلکہ کوئیل کی پڑھائی اور شادی کی ذمہ داری بھی ہماری ہی ہوگی۔

شادی کے کچھ مہینے بعد ڈاکٹر سریر اور ڈاکٹر کلثوم کے ذہن میں خیال آیا کہ انگلستان جانے کیلئے کوشش کی جائے تا کہ نہ صرف اور پیسہ کمایا جائے بلکہ طب کے میدان میں مزید ڈگریاں حاصل کی جائیں۔ اس سے اچھی زندگی گذارنے کا موقع ملے گا۔ اور والد صاحب کا علاج بھی بہتر طریقے سے ہو پائیگا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ یہاں واپس آ کے اپنے شہر کے لوگوں کی بھی خدمت کر سکیں گے۔

کافی کوشش کے بعد ڈاکٹر سریر کو شمالی انگلستان کے لنکا شائیر علاقے میں ایک ہسپتال

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں نوکری مل گئی۔ حالانکہ اُسے دوسرے عرب ممالک وغیرہ میں بھی نوکری مل سکتی تھی مگر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اُس نے ان انگلستان کی نوکری کو ترجیح دی۔

بڑے خانصاحب کو دونوں میاں بیوی نے پہلے ہی اپنے باہر جانے کیلئے ذہنی طور تیار کر لیا تھا کیونکہ سکندر خان صاحب کی بھی یہ خواہش تھی کہ بچے مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئیں اور یہاں اپنا ہسپتال کھولیں۔

ڈاکٹر کلثوم کا پیر بھاری تھا اور اگلے چار پانچ مہینے میں اولاد کی آمد متوقع تھی اس لئے جانے سے پہلے دونوں میاں بیوی نے مشورہ کیا کہ مہرن موسی کی چودہ سالہ بیٹی کوئیل کو بھی ساتھ لیا جائے کیونکہ انگلستان میں گھر کے کام کاج اور آنے والے بچے کی دیکھ بھال کیلئے آیا کی ضرورت ہوگی جو وہاں ملنا نہایت مشکل ہے۔ وہاں اجرت بہت مہنگی ہے اور گھنٹوں کے حساب سے ہے۔ اُنہوں نے سوچا کوئیل کو اپنا قریبی رشتہ دار جتا کے ساتھ لے جائیں گے کیونکہ نابالغ لڑکی کو نوکرانی بنا کے ساتھ لے جانا قانوناً جرم ہے۔

دونوں میاں بیوی نے بڑے خانصاحب اور مہرن کو سمجھا بجھا کے ذہنی طور تیار کر لیا کہ وہ باہر لے جا کے کوئیل کو کسی اچھے سکول میں داخل کروائیں گے اور اسے اچھی تعلیم دیں گے۔ مزید وہ اس بچی کی دوسری ضروریات کو بھی پورا کریں گے اور مہرن موسی کو ہر مہینے دس ہزار روپے بھیجا کریں گے۔ اُنہوں نے مہرن موسی سے کہا کہ دو تین سال وہاں رہنے کے بعد اچھا خاصہ پیسہ کما لے گی کوئیل تا کہ بعد میں اُس کی شادی اچھے طریقے سے ہو۔ حالانکہ کوئیل ماں کو چھوڑنے کیلئے بالکل تیار نہیں تھی مگر بچی کے مستقبل اور مراعات کی لالچ میں آ کے مہرن موسی نے زبردستی کوئیل کو ڈاکٹر کلثوم کے ساتھ بھیج دیا۔ اُسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ اُس کی بیٹی ان دونوں کے پاس اچھی طرح پلے گی اور پڑھ بھی جائے گی۔

ویسے لاکھ بتانے اور سمجھانے کے باوجود ڈاکٹر کلثوم کا رویہ مہرن اور کوئیل کے ساتھ وہی تھا جو ایک مالک کا ایک نوکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کوئیل کو صرف نوکرانی بنا کے لے جانا چاہتی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی۔ مگر بڑے خانصاحب نے بیٹے اور بہو کو سمجھایا کہ کوئیل کو اچھی طرح پالنا پوسنا اور اُس کا خیال رکھنا۔ یہ بے چاری یتیم ہے اور غریب ماں کی بیٹی ہے ایسا نہ ہو کل کو کوئی شکایت آئے۔ بیٹے اور بہو نے بڑے خان صاحب کو پورا یقین دلایا کہ وہ کوئیل کی دیکھ بھال میں کوئی دقیقہ فردگذاشت نہیں ہونے دیں گے۔

کچھ دنوں بعد ڈاکٹر سریر خان اور کلثوم انگلستان پہنچ گئے اور کوئیل ہمراہ تھی۔ ڈاکٹر سریر انگلستان کے شمال میں اومزکرک ہسپتال میں بحیثیت لوکم تعینات ہوگئے اور ڈاکٹر کلثوم چونکہ pregnant تھی اسلئے گھر پر ہی رہی اور کوئیل گھر کے کام کاج اور دیکھ بھال کیلئے ساتھ تھی۔

کوئی پانچ مہینے بعد ڈاکٹر کلثوم نے ایک لڑکے کو جنم دیا اور زچگی کے دوران کوئیل نے جی بھر کے اُس کی خدمت کی۔

اب بچہ پورے ایک سال کا ہوگیا تھا اور اس دوران ڈاکٹر سریر امتحان پاس کرنے کے بعد لیورپول میں G.P (جنرل پریکٹشنر) بن گیا تھا اور ڈاکٹر کلثوم بھی ساتھ ہی کے ایک ہسپتال میں تعینات ہوگئی تھی۔

کوئیل نہ صرف گھر کے سب کام کاج کرتی تھی بلکہ بچے کو بھی پال رہی تھی۔ ایسے حالات میں اُس کا کسی سکول میں داخلہ لینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا اسلئے اُس نے ڈاکٹر سریر سے کہہ کے کتابیں منگوا کے گھر پہ ہی پڑھنا شروع کر دیا اور فرصت کے اوقات میں محنت کرنا شروع کر دی کوئیل کی خوش قسمتی تھی کہ پاس ہی۔ ایک حیدرآبادی فیملی رہتی تھی جہاں اُس کی ایک ہم عمر لڑکی سے دوستی ہوگئی جو فرصت کے لمحات میں کوئیل کو پڑھایا کرتی تھی۔

دونوں ڈاکٹر میاں بیوی ویک اینڈ (week end) پہ اکثر گھومنے نکل جایا کرتے اور کوئیل کو بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ پچھلے دو سال میں کوئیل نے تقریباً پورا انگلستان دیکھ لیا تھا اور وہ یہاں کے رہن سہن اور طور طریق سے بھی بہت حد تک واقف ہو چکی تھی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اب ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان بھی بول لیتی تھی اور کچھ کچھ سمجھ بھی لیتی تھی۔ گو پڑھائی میں بہت پیچھے تھی لیکن بہت کچھ سیکھ چکی تھی۔ جو اپنے ملک میں شائد بہت کچھ پڑھنے کے بعد بھی نہ سیکھ پاتی۔ اب وہ چھری کانٹے سے ڈائینگ ٹیبل پہ بیٹھ کے کھانا کھاتی تھی۔ انگلش ٹائیپ WC استعمال کرتی تھی اور باتھ ٹب میں نہاتی تھی۔ وہ اب نہ صرف یہاں کے ماحول میں رچ بس گئی تھی بلکہ بہت حد تک اس سے مانوس بھی ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر سریر ہر مہینے باقاعدگی سے اپنے والد کو پچاس ہزار اور مہرن موسی کو الگ سے دس ہزار بھیجا کرتے تھے۔ موسی اپنی کوئیل کی شادی کیلئے پیسے جمع کر رہی تھی۔

ایک دن اچانک سکندر خان کی طبیعت بگڑ گئی اور اُسے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ اپنے والد کی بیماری کی خبر سنتے ہی ڈاکٹر سریر نے فیصلہ کیا کہ کچھ دنوں کے لئے گھر جایا جائے اس لئے دونوں میاں بیوی نے ایک مہینے کی چھٹی لی اور وہ چھوٹے بچے داؤد اور کوئیل کو ساتھ لے کے انڈیا چلے آئے۔

اُن کے آنے کے کچھ دن بعد خان صاحب کی طبیعت سنبھل گئی اور ڈاکٹروں نے اُنہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔ ڈاکٹر سریر اور ڈاکٹر کلثوم نے خانصاحب کو ساتھ لے جانے کیلئے بہت اصرار کیا مگر وہ ہرگز تیار نہیں ہوئے بلکہ اُنہیں مشورہ دیا کہ جلد از جلد واپس جائیں ۔اُن کا کہنا تھا کہ اُن کی اور گھر کی دیکھ بھال کیلئے بہت سے نوکر چاکر موجود ہیں۔

دوسری جانب مہرن اپنی بیٹی کو دیکھ پھولے نہیں سما رہی تھی۔ کوئیل نے اب نوجوانی کے حصار میں قدم رکھ لیا تھا۔ اُس کا سراپا نکھر آیا تھا۔ لمبا قد، گھنہری کالی زلفیں، سانولہ خوبصورت چہرہ اور پھر سرزمینِ انگلستان کی ماڈرن ہوا۔ غرضیکہ کوئیل اب ماڈرن خوبصورت جوان لڑکی تھی۔ بیٹی کو دیکھتے ہی مہرن نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب کوئیل کو واپس جانے نہیں دے گی بلکہ کوئی موزوں گھرانہ اور لڑکا دیکھ کے اُس کے ہاتھ پیلے کر دیگی۔

ادھر ڈاکٹر کلثوم بضد تھی کہ بچے داؤد کی پرورش اور انگلستان میں گھر کی دیکھ بھال کیلئے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کوئیل کو ساتھ لے جانا ضروری ہے۔ ڈاکٹر سریر متفکر تھا کہ بھلا مہرن موسی کو کیسے سمجھایا جائے۔

مہرن موسی مطمئن تھی کہ اب کوئیل واپس جانے کے لئے انکار کر دے گی کیونکہ ماں نے اپنی بیٹی کو سمجھا بجھا کے واپس نہ جانے کیلئے ذہنی طور تیار کر لیا تھا۔

ڈاکٹر کلثوم نے مہرن موسی کو سمجھایا کہ ابھی کوئیل کے گھر بسانے کی عمر کے تین چار سال باقی ہیں۔ اُن کے ساتھ جا کے وہ نہ صرف مزید پیسے کما کے لائے گی بلکہ اپنے لئے اور دس چیزیں بھی لائے گی۔ اُس نے موسی سے کہا کہ لوگ ایسے موقعوں کے لئے ترستے ہیں لیکن تمہاری کوئیل خوش نصیب ہے کہ اُسے یہ موقع ملا ہے۔ دراصل ڈاکٹر کلثوم کی اس وضاحت اور مشورے کے پسِ پردہ اُس کی اپنی ضرورت اور لالچ تھی۔

ادھر مہرن نے اپنی بیٹی کو پوری طرح سمجھایا کہ ''تم نے جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ لیا، جو کچھ سیکھنا تھا سیکھ لیا اور جو کچھ کمانا تھا کما لیا۔ ہمیں ضرورت سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں آخر کار اسی سرزمین پہ رہنا ہے۔ ہم لوگ جاگیردار نہیں ہمیں بس آرام سے دو وقت کی روٹی مل جائے، رہنے کو چھوٹا سا گھر ہو اور پہننے کیلئے چند کپڑے مل جائیں بہت ہیں۔ زیادہ اُوپر اُڑیں گے تو دھڑام سے زمین پہ گر جائیں گے۔ اس لئے میری بچی تو اپنے لئے اور اپنی ماں کی خاطر پھر سے واپس جانے کیلئے انکار کر دینا نئی دنیا کے سہانے خواب دیکھنا چھوڑ دے''۔

ڈاکٹر کلثوم اور مہرن کے دلائل اپنی اپنی جگہ صحیح تھے آخر یہ طے ہوا کہ فیصلہ کوئیل پہ چھوڑا جائے جو بدستور خاموش تھی۔

آخر ایک دن سب نے کوئیل کو بلا کے پوچھا کہ بھلا اُس کا کیا ارادہ ہے؟ سب کو یقین تھا کہ کوئیل ماں کا ساتھ دے گی۔

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد کوئیل نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اُس نے کہا کہ وہ ابھی کچھ سال کے لئے واپس انگلستان جائے گی۔

☆☆☆

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پھولوں کے سوداگر

رمضان تانترے عرف رنبہ تانترے روسا گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اُن کا خاندان کئی پُشتوں سے باغبانی کے پیشے سے وابستہ تھا اور وہ خود بھی ایک ماہر باغوان تھا۔ روسا گاؤں اُن چند چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سے ایک تھا جو سبز جھیل کے کنارے پہاڑ کے دامن میں کئی صدیوں سے آباد تھے۔ کہتے ہیں جب مغلوں نے سبز جھیل کے کنارے کئی باغ بنوائے تو مختلف جگہوں سے باغبان لا کے اُنہیں پہاڑوں کے دامن میں بسا دیا گیا تا کہ ایک تو باغات تعمیر کرنے میں آسانی ہو دوسرے ان کی دیکھ بھال بھی صحیح طریقے سے ہو پائے۔

روسا گاؤں اور اس کے آس پاس کے گاؤں میں رہنے والے بیشتر لوگ اب بھی باغبانی کے پیشے سے منسلک تھے۔ رنبہ تانترے پورے علاقے میں باغبانی کی مہارت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ عام طور پہ کہا جاتا تھا کہ رنبے نے جس بھی باغ میں کام کیا چار چاند لگا دیئے، اُس کے ہاتھ میں جادُو تھا۔ لوگ تو یہاں تک بھی کہتے تھے کہ وہ اگر مُرجھائے ہوئے پھول کے پودے کو ہاتھ لگا دے تو اُسے نئی زندگی بخش دیتا ہے۔ پھولوں کے مختلف ڈیزائینوں کی کیاریاں اور پھر پھولوں کے اقسام، ان کے رنگوں کے انتخاب اور مختلف پھولوں کے لگانے میں موسموں اور زمین کی جانکاری میں پورے علاقے کا کوئی دوسرا باغبان رنبے کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

شہر کے جانے مانے رئیس لوگ اور حاکم اپنے گھریلو باغوں کیلئے رنبے کو مشورے کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خاطر اکثر لے جاتے تھے۔ چونکہ وہ محکمہ فلوری کلچر میں سرکاری ملازم تھا اور ایک مغل باغ کا انچارج بھی تھا اس لئے کوئی بھی اُسے اپنے باغ کی نگہداشت کیلئے مستقل طور پہ ملازم نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ ایسے لوگوں کو مہینے میں دو ایک بار آ کے مشورہ دے جاتا تھا۔

رمضان تانترے عرف رنبہ تانترے نہایت شریف اور ایماندار ملازم تھا اس لئے اُس نے اپنا پرائیویٹ کام کیلئے حکومت سے اجازت مانگ رکھی تھی اور وہ یہ وقت اپنے سرکاری باغ میں بغیر اُجرت کے اُوورٹائم میں ادا کر دیا کرتا تھا۔

رنبہ تانترے نے اپنے گھر کے سامنے بھی ایک چھوٹا سا باغیچہ بنا رکھا تھا جس میں اُس نے اپنے سارا ہُنر اور تجربہ بھر دیا تھا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں کئی اقسام کے رنگ برنگے پھول تھے۔ کیاریوں اور پھولوں کے اقسام کو کچھ اس طرح سے ترتیب دیا تھا کہ اُس کے اُس باغیچے میں ہر موسم میں پھول کھلے ہوتے تھے۔ ایک الگ سی کیاری میں موسمی اعتبار سے چند تجرباتی پھول بھی لگائے ہوئے تھے اور ایک خاص قسم کا پودا بھی لگایا ہوا تھا جس کے بارے میں سوائے رنبے کے کسی کو کوئی علمیّت یا واقفیت نہیں تھی۔ اسے رمضان تانترے نے کسی خاص پیوند کے ذریعے تیار کرے تجرباتی طور پہ اپنے باغیچے میں لگایا تھا۔

اس نایاب چھوٹے پودے یا درخت کی وہ خود کچھ سالوں سے حفاظت کر رہا تھا۔ اُس نے اس پودے کو بارش، آندھی، طوفان اور برف باری سے بچا بچا کے ایک چھوٹے درخت کی مانند بنا دیا تھا۔ اس میں مختلف درختوں کے بہت سے پیوند کچھ اس ڈھنگ سے کئے تھے کہ سال کے ہر موسم میں اس میں رنگ برنگے پھول کھلتے تھے۔ غرضیکہ یہ پودا ہر موسم کا پودا تھا اور اسے کسی خاص پھول یا موسم کا پودا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس چھوٹے سے درخت کی حفاظت اور نگہداشت رنبہ خود کیا کرتا تھا۔ دراصل یہ پودا اُس کی خالص اپنی محنت اور تجربے کا پھل تھا۔ اسپودے کے نشو نما میں اُس نے روایتی اور رائج الوقت باغبانی یا اُس سے وابستہ تحقیق سے کوئی استفادہ حاصل نہیں کیا تھا۔ اُسے اب پورا یقین ہو چلا تھا کہ اُسکی محنت، لگن اور تجربے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نے ایک ایسے پودے کو جنم دیا تھا۔ جو شائد پھولوں کی تاریخ میں ایک نیا باب رقم کرے گا اور باغبانی کے شعبے میں ایک نیا انقلاب لائے گا۔

پچھلے دو ایک سال میں اس درخت پہ کچھ کچھ پھول پھوٹ پڑے تھے جس سے رنبے کو اپنی کامیابی کی جھلک نظر آئی تھی۔ اُس کے اپنے تجربے کے مطابق اگلے سال سے یہ پودا بھر پور انداز میں پھولوں کی فصل دینا شروع کر دے گا اور پھر یہ سلسلہ سال کے سال چلتا رہے گا۔ تب جا کے اس کی شاخیں پھر دوسرے باغوں میں بھی لگائی جا سکیں گی۔

رنبے نے اپنے گھر والوں کو بھی اس نایاب پودے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور وہ سمجھ رہے تھے اس چھوٹے سے باغیچے میں یہ پودا بھی بس دوسرے پودوں کی طرح ایک ہے۔

لاکھ محنت، نگہداشت اور حفاظت کے باوجود ایک دن جب وہ صبح صبح اپنی کیاریوں کا معاینہ کرنے لگا تو وہ ٹھٹھک کے رہ گیا جب اُس نے اپنے اس مخصوص پودے کو غائب پایا۔ اُس نے دیکھا کہ پودا جڑ اور مٹی سمیت اُکھیڑا گیا ہے اُس نے سوچا لے جانے والا کوئی واقف کار شخص تھا۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ سکتے میں آ گیا۔ کسی نے اُس کی برسوں کی محنت کو مٹی میں ملا دیا تھا۔ پہلی بار کسی نے اُس کے باغیچے کو چھیڑا تھا۔ وہ سوچنے لگا اب دوبارہ ایسا پودا تیار کرنے میں برسوں لگ جائیں گے۔ یہ کام اب مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی لگ رہا ہے۔

گھر والوں سے دریافت کیا تو سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ اب وہ اپنے علاقے کے دائیں بائیں ہر باغ میں اپنے اس پودے کو ڈھونڈنے لگا لیکن اُس کا کہیں اتا پتہ نہیں ملا جیسے آسمان کھا گیا ہو یا زمین نگل گئی ہو۔ کئی مہینے ڈھونڈنے کے بعد آخر تھک ہار کے اُس نے اب پودے کے ملنے کی اُمید ہی چھوڑ دی۔

کچھ سال بعد ایک دن رمضان تانترے عرف رنبہ سبز جھیل کے کنارے ایک نئے باغ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے سامنے سے گذر رہا تھا تو اُس کی نظر رنگ برنگے پھولوں سے لدے ایک درخت پر پڑی دور سے دیکھ کے اُس نے سوچا بھلا جاڑے کے موسم میں یہ کیسا درخت ہے جو پھولوں سے لبریز ہے؟ ہونا ہو یہ اپنا ہی کھویا ہوا درخت ہو کیونکہ آج اگر وہ ہوتا تو شائد اتنا ہی بڑا ہوتا۔ اُس نے آگے بڑھ کے باغ کے قریب جا کے دیکھا کہ آس پاس کے سب درختوں کے پتے سوکھ چکے ہیں لیکن یہ درخت پھولوں سے مہک رہا ہے۔

رنبہ تانترے ہمت کر کے مکان کے اندر گیا اور باغ کے مالک سے ملا اور اُس سے اس درخت کے بارے میں دریافت کیا۔ تب جا کے اسے پتہ چلا کہ باغ کے مالک نے اس درخت کی ایک شاخ غلام احمد عرف عمہ باغوان سے تین سال پہلے پانچ سو روپے میں خریدی تھی۔ مزید پوچھنے پر پتہ چلا کہ عمہ باغوان نے شہر میں اور بھی کئی لوگوں کو اس درخت کی شاخیں بیچی ہیں جنہوں نے یہ پودا اپنے اپنے باغوں میں لگایا ہے۔

غلام احمد عرف عمہ باغوان بھی ایک مغل باغ میں سرکاری باغوان تھا لیکن اُس نے سرکاری نوکری سے استعفیٰ دیکر اپنا کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اُس نے سبز جھیل کے کنارے اپنی ہی زمین میں پھولوں کے پودوں کی ایک نرسری بنا رکھی تھی جہاں وہ باقاعدہ پھولوں کے۔ پودے اور بیج وغیرہ بیچتا تھا۔ رنبہ عمہ باغوان کو اچھی طرح جانتا تھا اسلئے اس نے ارادہ کرلیا کہ وہ عمہ باغوان سے مل کے اس بارے میں مزید معلومات حاصل کرے گا۔

اس سے پہلے کہ وہ عمہ باغوان سے ملتا اُسے بتایا گیا کہ سرکار کی طرف سے محکمہ فلوریکلچر کی ایک بہت بڑی تقریب منعقد ہونے والی ہے جس میں اور باتوں کے علاوہ محکمے کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو انعامات بھی دیئے جائیں گے۔ اس تقریب میں اعلیٰ حکام بھی شرکت کرنے والے ہیں۔ محکمے نے تمام سرکاری باغوانوں کو بھی مدعو کیا ہے اور محکمے کے سربراہ نے یہ ہدایت دی ہے کہ مغل باغات سے وابستہ باغوانوں کی شرکت لازمی ہے۔ اس لئے رمضان تانترے بھی شرکت کی غرض سے اس تقریب میں پہنچ گیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رمضان تانترے نے تہیہ کرلیا کہ آج وہ سب کو بتادے گا کہ کیسے اُس کی محنت کا تیار کیا ہوا پودا عمہ باغوان نے چُرا کے لوگوں کو بیچا ہے۔ یہ پودا اُس کی محنت، تجربے اور خون پسینے کا نتیجہ تھا مگر اسے چُرا کے عمہ باغوان نے اُس سے غداری کی ہے۔ اس نے سوچ لیا کہ پروگرام کے اختتام پہ وہ سٹیج پہ جا کے سب کو بتادے گا۔

شہر کا مشہور پولوگراونڈ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے محکمے کے سربراہ نے اپنے محکمے کی کارکردگی پر بھرپور روشنی ڈالی اور مختلف مسائل کی طرف حکام کی توجہ مبذول کرائی۔ پھر مختلف زونیل سربراہوں نے اپنے دائرہ اختیار کے باغات کی حالت اور ضروریات کے بارے میں لوگوں اور حکام کو آگاہ کیا۔ پھر منسٹر صاحب نے لمبی چوڑی سیاسی تقریر کی اور محکمے کی کارکردگی پہ نہ صرف اطمینان ظاہر کیا بلکہ تعریفیں کیں۔ آخر میں انعامات کا سلسلہ شروع ہوا۔ محکمے سے تعلق رکھنے والے مختلف لوگوں کو کئی شعبوں میں میڈل اور سرٹیفکیٹس دیئے گئے۔ سب سے بڑا پچیس ہزار روپے اک نقد انعام، سرٹیفکیٹ اور میڈل پرائیویٹ نرسری کے مالک غلام احمد عرف عمہ باغوان کو دیئے جانے کا اعلان کیا گیا۔ لوگوں کو بتایا گیا کہ عمہ باغوان نے ایک ایسا پودا تیار کیا ہے جو ہر موسم میں پھول دیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں ہر رنگ اور ہر قسم کے پھول اُگتے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ اُس نے اس کی شاخیں بہت سے لوگوں کو بیچی ہیں اور اب یہ درخت ہماری وادی کے بہت سے باغات کی زینت بن چکا ہے۔ اعلان ہوا کہ غلام احمد عرف عمہ باغوان سٹیج پر آئے۔ دوسری جانب محمد رمضان عرف رنبہ باغوان تلملا اُٹھا مگر موقع کی نزاکت کے پیش نظر خاموش رہا۔

تالیوں کی گونج میں عمہ باغوان سٹیج پہ آ گیا۔ آتے ہی اُس نے حکام سے گذارش کی کہ انعام لینے سے پہلے اُسے دو بول بولنے کی اجازت دی جائے۔ اجازت دیدی گئی اور وہ بولنے لگا۔ ''حضرات میں آپ سب لوگوں اور محکمے کے حکام کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے اس انعام کے لئے چنا ہے مگر جناب میں اس انعام کا حقدار نہیں ہوں۔ اس کا حقدار کوئی اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے''۔ سارے مجمع اور سٹیج پہ بیٹھے ہوئے حضرات پہ جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ سب حیران و پریشان ہوگئے کہ بھلا اور کون ہوسکتا ہے؟ ڈائریکٹر نے چلا کے عمہ باغوان سے پوچھا کہ ''دوسرا کون ہے؟ بتاتے کیوں نہیں۔''

عمہ باغوان پھر بولنے لگا کہ ''جناب اس انعام کا اصلی حقدار محمد رمضان تانترے عرف رنبہ باغوان ہے۔ اُسی نے اس پودے کو اپنے گھر کے چھوٹے سے باغیچے میں اپنی محنت سے لگایا اور بڑی جانفشانی سے اس کی پرورش کی تھی۔ میں نے جونہی اس عجیب وغریب پودے کو اُس کے باغیچے میں دیکھا تو میری نظریں للچا گئیں اور چند سال پہلے اس کی بیوی سے پانچ سو روپے میں خریدا تھا۔ اس پودے کو پھر اپنے باغ میں لگا کے اس کی خوب پرورش اور نگہداشت کی تب جا کے اب تک اس کی کئی شاخیں بیچ چکا ہوں۔ اس لئے میری آپ حکام سے مودبانہ التماس ہے کہ یہ انعمام رنبہ باغوان کو دیا جائے۔''

سارا پولوگراونڈ تالیوں سے گونج اُٹھا اور رمضان تانترے کو سٹیج پر بلایا گیا اور اُسے پچیس ہزار کا چیک دیا گیا۔ ساتھ ہی باغبانی کے منسٹر نے اعلان کیا کہ عمہ باغوان کو بھی ایمانداری کیلئے پانچ ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔

گھر پہنچ کے رنبہ تانترے نے بیوی سے پوچھا کہ وہ درخت کیوں بیچا تھا اور پھر مجھے بتایا کیوں نہیں۔ بیوی بولی ''سچ پوچھو کہ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ پودا اتنا قیمتی ہے۔ مگر میں مجبور ہوگئی کیونکہ پوتے اور پوتی کے لئے وردی بنوانی تھی اور گھر میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ یہ سب آپ کو بتانے سے ڈر گئی تھی۔''

رمضان تانترے نے جیب سے پچیس ہزار کا چیک نکال کے بیوی کے ہاتھ میں تھما دیا اور اُس کی طرف دیکھ کے مسکرا دیا۔

☆☆☆

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زخمی

وہ زور زور سے کراہ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے اُس کی دلخراش چیخیں دُور دُور تک سنائی دے رہی تھیں لیکن شائد پاس سے گذرنے والوں پہ ان چیخوں یا کراہنے کا کوئی اثر نہیں تھا لگتا تھا اُن کے کان سُن ہوگئے ہیں اور آنکھوں پہ پٹی بندھی ہوئی ہو۔ کسی ایک نے بھی پوچھنا تو درکنار اُس کے قریب جانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ اب تو اُس کا کراہنا بھی دھیما دھیما ہوتا جارہا تھا شائد اب اُس میں چیخنے یا چلانے کی سکت کم ہوتی جارہی تھی۔ وہ رحمت نگر کے چوراہے پر سڑک کے کنارے زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ ٹانگیں، بازو اور کمر بری طرح زخمی تھے۔ لگتا تھا کافی دیر سے اسی زخمی حالت میں تھا۔ کیونکہ خون بہہ چکا تھا اور اب آواز بھی نحیف ہوتی جارہی تھی۔

رحمت نگر چوک سرینگر شہر کے جنوب میں بائی پاس روڈ پہ ہے۔ یہ چوراہا شہر کے مصروف ترین چوراہوں میں سے ایک ہے۔ صبح کے وقت یہاں ٹریفک کا دباؤ خاصا کم ہوتا ہے۔ اکا دُکا گاڑی چلتی ہے ہاں البتہ پیدل چلنے والوں کی تعداد کافی ہوتی ہے جن میں زیادہ تر صبح سیر کرنے والے اور ٹیوشن سینٹرز جانے والے بچے اور بچیاں ہوتے ہیں۔

اتنے لوگ اس زخمی کے سامنے سے گذر رہے تھے لیکن ہر کوئی منہ پھیر کے نکل جاتا تھا۔ شائد ہر کوئی ڈر رہا تھا کہ اُس کے قریب گئے تو مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ دراصل ہماری تحقیقاتی ایجنسیوں کا طریقہ کار ہی کچھ ایسا ہے کہ ہر کوئی ایسے واقعات سے دُور بھاگتا ہے اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بلاوجہ ان کے چنگل میں پھنسنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ رپورٹ کرنے والا شخص سالہا سال پولیس کے اور عدالت کے چکر میں اُلجھ کے رہ گیا ہے۔ لوگوں کو لگتا ہے کہ ایسے معاملات کی رپورٹ کرنا یا کسی کی مدد کرنا بس 'آبیل مجھے مار' کے مترادف ہے۔

زخمی کے گلے سے اب ٹھیک سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ لگتا تھا اُس کا کافی خون بہہ گیا تھا اور شائد ابھی کچھ خون رہ گیا ہو جو اُسے زندہ رکھے ہوئے تھا۔ قدرت نے انسان کے جسم کی بناوٹ بھی کچھ عجیب بنا رکھی ہے۔ جسم کا ہر عضو ٹھیک ہوتے ہوئے بھی اپنی اپنی مخصوص جگہ پہ ہونے کے باوجود کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اگر اُس تک صحیح مقدار اور دباؤ سے خون نہ پہنچے۔ خون کی مقدار کم ہو جائے تو اعضاء میں سُستی آجاتی ہے۔ خون کا دباؤ کم یا زیادہ ہو تو عضوء کے خراب ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور اگر خون بہہ کے ختم ہو جائے تو انسان بے جان ہو جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے خون کی صحیح مقدار اور دباؤ میں گردش ہی کو ہم نے 'جان' کا نام دے رکھا ہو۔

سڑک کے کنارے پڑے ہوئے زخمی کی حالت ابتر ہوتی جارہی تھی کیونکہ کسی بھی گذرنے والے نے پاس جا کے اُس کی مدد کی کوشش نہیں کی تھی۔

کچھ دیر بعد پاس کے ایک محلے سے نو یا دس سال کا لڑکا سکول کی وردی میں ملبوس، کتابوں کا بستہ اُٹھائے گھر سے سکول جانے کیلئے نکلا۔ جونہی اُس نے سڑک کے کنارے کراہتے ہوئے اس زخمی شخص کو دیکھا تو وہ دوڑا دوڑا اُس کے پاس گیا اور زخمی سے پوچھا ''انکل آپ کو کیسے چوٹ لگی ہے؟ کس نے آپ کی یہ حالت کردی ہے؟'' زخمی شخص نے ہلکے سے آنکھیں کھولیں۔ چونکہ زبان بولنے سے قاصر تھی اس لئے اُس نے ہاتھ کے اشارے سے پانی مانگا۔ شائد اُس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ چھوٹا لڑکا سمجھ گیا اسلئے فوراً بھاگا بھاگا واپس گھر کی طرف دوڑا۔ گھر پہنچتے ہی اُس نے اپنے پاپا کو آواز دی اور خود کچن سے پانی کی بوتل اُٹھا لایا۔ اُس کا باپ گھبرایا ہوا نیچے آیا تو بچے نے بتایا کہ باہر سڑک کے کنارے ایک زخمی شخص پڑا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوا ہے جو بول بھی نہیں سکتا مگر ہاتھ کے اشارے سے پانی مانگ رہا ہے۔ بچے نے باپ سے کہا۔ ''پاپا آپ جلدی سے گاڑی لے کر باہر آؤ اور اُسے بچاؤ۔ پلیز پاپا۔'' اپنے بچے کی عاجزی سُن کے باپ کو مجبوراً گاڑی لے کے باہر آنا پڑا۔ ساتھ میں وہ اپنے گھریلو ملازم کو بھی لے آیا۔

یہ سب لوگ جلدی سے زخمی شخص کے پاس پہنچے۔ وہ بری طرح سے زخمی تھا لگتا تھا اُس کی ٹانگیں ٹوٹ چکی ہیں۔ سر اور کمر بھی زخمی ہیں۔ خون کافی بہہ چکا تھا اور وہ تقریباً بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اُنہوں نے پہلے سہارا دے کر اُسے پانی پلایا پھر ٹانگیں اور سر کو پرانے کپڑے سے اچھی طرح باندھ دیا تا کہ مزید خون نہ بہے۔ چھوٹے بچے کے باپ خلیل احمد نے دیکھا کہ زخمی شخص کوئی چالیس یا پینتالیس سال کا آدمی ہے اور غور سے دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ جانی پہچانی صورت تھی۔ شائد پاس ہی کسی محلے کا رہنے والا تھا۔ کیونکہ خلیل احمد نے اُسے اپنے محلے کی سامنے والی سڑک پہ کئی بار آتے جاتے دیکھا تھا۔ اُس نے اور اُسکے نوکر نے اُسے بڑی مشکل سے اُٹھا کے گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ لٹا دیا۔ گھر کے ملازم کو اُسکے ساتھ بٹھا کے پکڑ کے رکھنے کو کہا۔ خلیل نے اپنے بچے سے کہا کہ سکول بس آنے والی ہوگی اس لئے وہ سکول جائے اور دلاسہ دیا کہ وہ اس زخمی کو کہیں نزدیک والے ہسپتال لے جائیں گے۔

وہ زخمی کو پاس ہی بائی پاس کے ایک پرائیویٹ ہسپتال لے گئے۔ ہسپتال پہنچ کے سٹریچر پہ اُسے اندر لے گئے۔ مگر ہسپتال کے عملے نے پہلے پولیس تھانے فون کیا۔ کیونکہ بقول اُسکے یہ ایکسیڈینٹل کیس ہے اس لئے قانون اور پولیس کی ہدایت کے مطابق پہلے کیس رجسٹر کرانا پڑے گا۔

خلیل احمد نے منت سماجت کی کہ زخمی شخص کی حالت بہت بری ہے اس لئے اُس کا علاج شروع کیا جائے۔ اُس نے ہسپتال کے عملے سے کہا کہ کیس تو رجسٹر ہوتا رہے گا لیکن اس شخص کی زندگی زیادہ قیمتی ہے۔ کم از کم اسے فرسٹ ایڈ تو دیا جائے۔ مگر ہسپتال والوں نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پولیس کی اجازت کے بغیر زخمی کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا۔ بادلِ نخواستہ خلیل احمد خاموش ہو کے پولیس کا انتظار کرنے بیٹھ گیا۔ ہسپتال والوں نے کہا کہ گھریلو ملازم کو بھی پولیس پارٹی کے آنے تک یہیں روکے رکھیں۔

کوئی ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد پولیس تھانہ بُلگام سے ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر اور ایک سپاہی ہسپتال پہنچے۔ پولیس نے پہنچتے ہی پہلے زخمی شخص کو اندر سٹریچر پر دیکھا چونکہ زخمی بیان دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس لئے انہوں نے خلیل صاحب کا بیان قلمبند کرنا شروع کر دیا۔

آپکا نام؟

خلیل احمد ہنڈو

ولدیت؟

محمد سبحان ہنڈو

سکونت؟

فرنڈس کالونی، رحمت نگر سرینگر

اور یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟

میرا گھریلو ملازم۔ رام سنگھ ولد شیر و ساکن مغربی بنگال۔

خلیل احمد نے بتایا کہ زخمی کو اُٹھانے کی غرض سے گھریلو ملازم کو ساتھ لایا تھا۔

زخمی کا نام؟

معلوم نہیں۔

زخمی کہاں سے ملا؟

رحمت نگر چوک پہ سڑک کے کنارے۔ گرڈ سٹیشن کے پاس۔

گرڈ سٹیشن والی سربیٹ روڈ پہ؟

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جی نہیں گرڈ سٹیشن کے اُس پار صدر پورہ جاتی سڑک پہ

''اوہو یہ تو کُر ہامہ پولیس سٹیشن کا کیس ہے۔'' اے ایس آئی نے وضاحت کی کہ رحمت نگر چوراہے کے گرڈ سٹیشن کے اُس پار صدر پورہ کا علاقہ کُر ہامہ پولیس سٹیشن کے حدِ اختیار میں ہے۔ اسلئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بہتر ہوگا کہ آپ کُر ہامہ پولیس سٹیشن سے رابطہ قائم کریں۔''

زخمی کو اسی تڑپتی اور کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ کے ہسپتال کے ایڈمنسٹریٹو آفیسر نے اب کُر ہامہ پولیس سٹیشن کو مطلع کیا۔

چونکہ اب صبح کے دس بج چکے تھے اس لئے خلیل احمد نے اپنے دفتر کو اطلاع دی کہ وہ کسی ضروری کام میں اُلجھ گئے ہیں اسلئے ذرا تاخیر سے پہنچیں گے۔

خلیل احمد ہنڈو جموں و کشمیر کی حکومت کے آرٹس ایمپوریم میں منیجر تھے فرنڈس کالونی، رحمت نگر میں رہتے تھے۔ گھر میں بوڑھے ماں باپ، بیوی اور دو چھوٹے بچے تھے لڑکا زاہد چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا اور لڑکی حنا ابھی یو کے جی میں تھی۔

بیٹھے زاہد کی وجہ سے وہ خوامخواہ کی اس مصیبت میں اُلجھ گیا تھا اور اب اس سے چھٹکارا نہیں مل رہا تھا حیرانگی کی بات یہ تھی کہ پولیس اور اُن کی حدود کے چکر میں بے چارے زخمی کو کوئی پوچھ نہیں رہا تھا اور خلیل اس بات کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔

کوئی مزید ایک گھنٹے بعد کُر ہامہ پولیس سٹیشن کی پارٹی پہنچ گئی۔ ''سوال و جواب کا وہی سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ خلیل نے اسسٹنٹ سب انسپکٹر سے درخواست کی کہ زخمی شخص علاج کیلئے پچھلے دو گھنٹے سے یونہی پڑا ہے اب سوال و جواب کا سلسلہ تو چلتا رہے گا اس لئے مہربانی کر کے ہسپتال عملے کو ہدایت دی جائے کہ وہ زخمی کا علاج شروع کریں۔ شاید اے ایس آئی کو خلیل کی بات پر ترس آیا اس لئے اُس نے ہسپتال کے عملے سے کہا کہ زخمی کا علاج شروع کیا جائے۔ اب یہاں پولیس پارٹی کے سوال و جواب چلتے رہے اور وہاں ڈاکٹروں نے آپریشن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھیٹر میں زخمی کا علاج شروع کر دیا۔

وقت کافی بیت چکا تھا۔ دن کے دو بج رہے تھے۔ خلیل احمد نے جانے سے پہلے زخمی کے حال کے بارے میں پوچھا تو اُس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی اور وہ دم بخود ہو گیا جب اُسے بتایا گیا کہ وہ بے چارہ زخموں کی تاب نہ لا کے آپریشن تھیٹر میں لے جانے سے پہلے ہی مر چکا تھا شاید علاج میں دیر ہو گئی تھی۔ خلیل کو بتایا گیا کہ لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے پولیس کنٹرول روم بھیج دیا گیا ہے۔

خلیل یہ سنتے ہی سکتے میں آ گیا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس زخمی کی موت کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ جس نے اسے ٹکر مار کے زخمی کیا تھا یا وہ لوگ جنہوں نے اسے سڑک کنارے زخمی دیکھ کے لاتعلقی کا مظاہرہ کیا تھا؟ یا ہسپتال کا عملہ جو پولیس پارٹی کے انتظار میں اپنے پیشہ ورانہ ذمہ داریوں سے منہ موڑ بیٹھا تھا؟ یا پھر وہ پولیس پارٹیاں جو حدُود کے دائرہ اختیار کے چکر میں اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں یا انسانی فرائض کو بھول گئی تھیں؟

خلیل سوچنے لگا کہ نہ جانے روز کتنے لوگ ہماری سوچ، ہماری لاپرواہی یا قانون کی فضول لوازمات کی وجہ سے اپنی قیمتی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لُدھیانی

وہ ایک بند دوکان کی دہلیز پہ بیٹھے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہی تھی جو شائد کسی نے جِلا کے اُسے دیا تھا کیونکہ جب کبھی اُس کا من سگریٹ پینے کو چاہتا وہ کسی بھی سگریٹ پیتے شخص سے اشاروں کے ذریعے نہ صرف سگریٹ مانگتی تھی بلکہ دکھاتی تھی کہ سلگا کے دو۔ سگریٹ پیتے پیتے وہ ہر آنے جانے والے کو گھور رہی تھی اور جب کوئی جوان لڑکا لڑکی یا کوئی بچہ سامنے سے گذرتا تو وہ اُس پہ موٹی موٹی گندی گالیوں کی بوچھاڑ کر دیتی۔ لگتا تھا جیسے اُسے بچوں یا پھر جوان لڑکے لڑکیوں سے چڑ تھی۔ ویسے بھی وہ ہر آنے جانے والے کی خدمت میں ایک آدھ گالی ضرور پیش کر دیتی تھی۔

صبح کا وقت تھا اسلئے مہاراجہ بازار میں ابھی کچھ ہی دوکانیں کھلی تھیں۔ جس دوکان کے تھڑے پہ وہ بیٹھی تھی وہاں کچھ ہی دیر بعد اُس کا مالک آ گیا اور وہ سمجھ گئی کہ اُسے اب دوکان کھولنی ہے اسلئے وہ لپک کے دوسری بند دوکان کے تھڑے پہ جا بیٹھی۔ ویسے بھی اس بازار کے اکثر دوکاندار اُس کے کسی دوکان پہ بیٹھنے کو نیک شگون سمجھتے تھے۔ اکثر دوکاندار چاہتے تھے کہ وہ دن میں کم از کم ایک بار اُن کی دوکان پہ کچھ دیر کیلئے ضرور بیٹھے۔ کیونکہ بقول اُنکے اس سے اُن کی بکری بڑھ جاتی تھی۔ ہاں البتہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ زیادہ دیر دوکان پہ نہ بیٹھے کیونکہ اکثر گاہک اُس کا سامنا کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

اُسے سب لُدھیانی کے نام سے جانتے تھے۔ وہ کالی کلوٹی ادھیڑ عمر کی ایک پاگل عورت

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی۔ لمبی اور پتلی، تیکھے نقوش کے باوجود بھدی غصے میں نہایت ڈراونی اور خونخوار لگتی تھی۔ پھٹی پرانی شلوار اور میلی کچیلی قمیض پہ پٹو کا بوسیدہ فرن پہنے۔ میل اور گرد میں اٹے ہوئے چند کھچڑی نما سر کے بال اکثر شانوں پہ بکھرے ہوتے تھے۔ اُس کے میلے اور بوسیدہ کپڑوں کو دیکھ کے لگتا تھا شائد پہنتے وقت ہی دُھلے ہونگے۔ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کیا وہ کبھی منہ ہاتھ بھی دھوتی ہے یا نہیں۔ نہانا تو دور کی بات تھی۔ اسی لئے اُس کے کپڑوں سے عجیب قسم کی بو آتی تھی اور اُس کے قریب جاتے ہوئے گھن آتی تھی۔ لیکن ان سب کے باوجود اُس میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی کیونکہ جو کوئی بھی اُسکی سرخ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھتا تو خوف کے باوجود اُسے دوسری بار دیکھنے کی چاہت ہوتی۔ گالی سننے کے بعد پھر سے گالی کھانے کو جی چاہتا تھا۔

لُدھیانی کے بارے میں کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے؟ کس مذہب سے تعلق رکھتی ہے؟ ہندو ہے یا مسلمان، سکھ ہے یا عیسائی؟ وثوق سے اُس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ اُس کی حرکات وسکنات یا طور طریق سے کچھ بھی تو پتہ نہیں لگ سکتا تھا۔ سب لوگ قیاس آرائیوں سے اندازے لگاتے تھے کچھ کا کہنا تھا کہ کچھ سال پہلے وہ لدھیانہ سے یہاں آئی تھی پھر واپس نہیں گئی اسی لئے اُسے لُدھیانی کہتے ہیں۔ لیکن اس بارے میں بھی ٹھیک سے کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ایک بات ضرور تھی کہ وہ کشمیری نہیں تھی۔ کیونکہ وہ گالی صرف اُردو یا پنجابی زبان میں دیتی تھی۔ ویسے بھی عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص گنتی اور گالی کیلئے اپنی مادری زبان کا ہی استعمال کرتا ہے۔ اسلئے گالی گلوچ کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ لُدھیانی کشمیری نہیں ہے اور نا ہی گوجر ہے کیونکہ گالیاں وہ ٹھیٹھ پنجابی زبان میں دیتی تھی۔

کبھی کبھی جب اُسے شدید پاگل پن کا دورہ پڑ جاتا تھا تو دوکاندار اُسے پاگل خانے لے جاتے تھے۔ مگر چند دن وہاں رکھنے کے بعد اُسے پھر ان ہی بازاروں میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

خاص طور سے مہاراجہ بازار میں، جو اُس کا گھر اور وطن تھا۔ رات کسی نہ کسی دوکان کے تھڑے پر گذارتی تھی۔ بازار کے دوکاندار یا کچھ نرم دل لوگ رات کو اُس پہ کمبل یا چادر ڈال دیتے تھے اور صبح ہوتے ہی وہ یہ کمبل یا چادر سنبھال کے کہیں رکھ دیتے تھے تاکہ پھر سے استعمال ہو سکے۔

کہتے ہیں کہ مہاراجہ بازار میں کچھ سال پہلے ایک اور جوان پاگل بھی گھومتا تھا جو لُدھیانی کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوتا تھا۔ اُس کے بارے میں یہ کہانی مشہور تھی کہ اُس نے کچھ سال پہلے، جب وہ صحیح حالت میں تھا، رات کو نشے کی حالت میں کسی دوکان کے تھڑے پہ سوئی ہوئی لُدھیانی سے زور زبردستی کر کے اُس کی عزت لوٹنا چاہی لیکن لُدھیانی کے شور مچانے پہ وہ بھاگ گیا۔ اس واقعے کے بعد وہ بہت دنوں تک اس بازار میں نہیں دِکھا۔ پھر اچانک کئی سال بعد اس بازار میں نظر آیا لیکن وہ پوری طرح پاگل ہو چکا تھا اور دیوانہ وار گھومتا رہتا تھا۔ مگر جب بھی اُس کا سامنا لُدھیانی سے ہوتا تھا تو وہ بھاگ جاتا تھا۔

لُدھیانی کا کھانا پینا، کپڑا لتا، اوڑھنا بچھونا وغیرہ یا تو مہاراجہ بازار، ہری سنگھ ہائی سٹریٹ اور گونی کھن بازار کے دوکاندار مل بیٹھ کے پورا کیا کرتے تھے یا پھر دوسرے خداترس اور ہمدرد لوگ مدد کرتے تھے۔ کئی سال سے یہ سلسلہ چلتا آرہا تھا لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ اُس کے گھر بار کا پتہ لگا سکے۔ اُس سے براہ راست جب یہ پوچھا گیا تو اُس نے یا تو سوال نظر انداز کر دیا یا پھر جواب میں ایک موٹی سی گالی داغ دی۔

لُدھیانی کہاں پیدا ہوئی؟ کہاں پلی بڑھی؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ اُس کی جوانی کے دن اور بچپن کہاں گذرا؟ کوئی کچھ بتا نہیں سکتا تھا۔ اُس کا نام لُدھیانی کس نے رکھا؟ اس بارے میں بھی وثوق سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اُس کا ماضی کب، کیسے اور کہاں گذرا؟ کچھ پتہ نہیں تھا مگر اب اُس کی زندگی صرف سرینگر شہر میں ہری سنگھ ہائی سٹریٹ، گونی کھن بازار، چرس گلی اور مہاراجہ بازار کے بیچ سمٹ کے رہ گئی تھی۔ اب یہی بازار اُس کا وطن، گھر اور دنیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھے۔ دراصل کسی کی شناخت معلوم کرنا تب آسان ہوجاتا ہے جب اُس کے آس پاس کے ماحول کے بارے میں واقفیت ہو یا وہ ذہنی طور ٹھیک ہو۔ بھلا اپنے ماحول سے الگ تھلک ایک پاگل کے بارے میں دریافت کرنا یا اُس پہ تحقیق کرنے کی زحمت کوئی کیوں کر گوارا کرتا؟ شائد یہی ایک وجہ رہی ہوگی کہ لُدھیانی کے بارے میں کسی نے کچھ بھی پتہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ان بازاروں کے دوکاندار اور آس پاس کے محلوں کے مسیکن بھی اب لُدھیانی سے اسقدر مانوس ہو چکے تھے کہ اگر کسی دن اُس کے آنے میں ذرا سی بھی دیر ہوجاتی تو پریشان ہوجاتے تھے اور ایک دوسرے سے اُس کے بارے میں پوچھنے لگتے تھے۔ لُدھیانی کے منہ سے نکلی ہوئی گالیاں بھی کچھ دوکانداروں کو دعائیں لگتی تھیں۔

لُدھیانی کیلئے کھانے پینے کی کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ وہ جس بھی دوکان سے جو کوئی بھی چیز اُٹھاتی کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ حلوائی کی دوکان سے میٹھائی، نانوائی کی دوکان سے روٹی، فروٹ والے کی دوکان سے کوئی بھی میوہ، سبزی والے کی دوکان سے کوئی بھی کچا کھانے والی سبزی جیسے گاجر، مولی، ٹماٹر وغیرہ وہ بے دھڑک اُٹھا لیتی تھی غرضیکہ سارا دن اُس کا منہ چرتا ہی رہتا تھا۔ ہاں جب زیادہ بھوک لگتی تو گونی کھن یا مہاراجہ بازار کے کسی ڈھابے میں جا کے کھانا مانگ لیتی اور ڈھابے والے اُسے خوشی خوشی کھانا دے دیتے تھے۔ عام طور پہ وہ اس کے کھانا مانگنے کو نیک شگون سمجھتے تھے۔ ہاں البتہ جب اُسے رفع حاجت یا منہ ہاتھ دھونے کی ضرورت آن پڑتی تو بازاروں میں مکانات کے اندر جا کے وہ یہ ضرورت پوری کر لیتی تھی۔ ویسے بھی اُس نے ان ضروریات کیلئے کچھ مخصوص مکانات کا انتخاب کر رکھا ھا۔ وہ جب چاہتی ان مکانوں کے پاخانوں اور غسل خانوں کا بلا روک ٹوک استعمال کر سکتی تھی۔ ان مکانوں کے مالکان یا مسیکن اُسے کچھ نہیں کہتے تھے۔ اُس کے بارے میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ وہ بھلے ہی کبھی منہ ہاتھ نہ دھوئے یا نہائے لیکن رفع حاجت کے بعد وضو بڑی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اچھی طرح سے کیا کرتی تھی۔

گرمی کے موسم میں لُدھیانی کے پاگل پن کا دورہ شدید ہوجاتا تھا۔ گالیوں کی بوچھاڑ میں اضافہ ہوجاتا تھا اور کبھی کبھی وہ دیوانگی اور پاگل پن میں پتھر ہاتھ میں لے کے ہر آتے جاتے کے پیچھے دوڑتی تھی۔ اُس کے اس عتاب کا نزلہ عام طور پر بچوں اور جوانوں پہ گرتا تھا۔ ان بازاروں کے دوکاندار اور یہاں چلنے والے اکثر راہگیر گرمیوں کے موسم میں لُدھیانی کی اس کیفیت سے واقف تھے اسلئے وہ پہلے ہی سے محتاط رہتے تھے۔

کئی سال تک لُدھیانی کا ان بازاروں میں پاگل پن کی حالت میں گھومنا روز کا معمول بن چکا تھا پھر اچانک ایک دن لُدھیانی غائب ہوگئی۔ لاکھ تلاش کے باوجود اُس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ وہ نہ تو کسی ہسپتال میں ملی اور نہ کسی پاگل خانے میں۔ آس پاس کے بازاروں اور گھروں میں بھی ڈھونڈا لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔ نزدیک کے سب قبرستان اور شمشان گھروں سے بھی دریافت کیا مگر کوئی خبر نہیں ملی۔ گو یہ پتہ چلا کہ ایک دن پہلے وہ چنگی بھلی چرس گلی اور گونی کھن بازار میں دیکھی گئی تھی۔ پھر دوسرے ہی دن کہاں چلی گئی؟ ایسے لگا جیسے وہ کوئی بادل کا ٹکڑا تھی جو آسمان کی وسعتوں میں تحلیل ہو کے غائب ہوگیا ہو۔ گو ان بازاروں کے لوگ اُس کے اس اچانک غائب ہونے پہ حیران تھے مگر چند ایک اس بارے میں اسقدر توہم پرست تھے کہ اُن کا خیال تھا کہ اُس کے جانے کے بعد اب اُن کے کاروبار پہ برا اثر پڑے گا۔ اُنہیں لگا کہ ان بازاروں کی رونق ماند پڑ گئی ہے۔ کچھ ضعیف العتقاد لوگ تو اس حد تک بھی کہہ رہے تھے کہ لُدھیانی کا غائب ہونا عام سی بات نہیں ہے۔ وہ ضرور کسی روحانی طاقت کی مالک تھی جسے عام لوگ پاگل سمجھ رہے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ اسی لئے غائب ہوگئی تاکہ مرنے کے بعد بھی اُسے کوئی چھو نہ سکے۔

خیر وجہ کچھ بھی ہو لیکن یہ بات طے تھی کہ لُدھیانی ان بازاروں کے دوکانداروں کی زندگی کا حصہ بن چکی تھی جو اُس کے غائب ہونے کے بعد اُس کی کمی کو شدت سے محسوس کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رہے تھے۔ کچھ واہمی لوگوں کا تو اس حد تک خیال تھا کہ ان بازاروں اور ان سے منسلک علاقوں پر ضرور کوئی آفت آنے والی ہے۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کبھی کبھی کوئی انسان کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے لوگوں یا جاننے والوں یا پھر اپنے علاقے میں بہت اہم بن جاتا ہے۔ بھلے ہی اُس کا کسی سے کوئی رشتہ یا تعلق نہ ہو پھر بھی وہ غیر ارادی طور پر لوگوں کی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب پاس ہو یا قریب ہو تو اُس کی اہمیّت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا لیکن جب وہ دور چلا جائے یا آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تب اُس کی اہمیّت کا احساس ہوتا ہے۔ لُدھیانی کے معاملے میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ وہ صرف ایک پاگل عورت تھی جو سوائے گالی گلوچ دینے کے اور کچھ نہیں جانتی تھی۔ اُس کی ذات پات یا مذہب کے بارے میں بھی کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اُس کا کسی کے ساتھ کوئی رشتہ یا تعلق بھی نہیں تھا لیکن اسکے باوجود جب کسی دن اُسے بازار میں نمودار ہونے میں ذرہ سی بھی دیر ہو جاتی تو ہر کوئی دوکاندار، چھابڑی فروش اُسکے بارے میں فکرمند ہو جاتا تھا اور ہر آنے جانے والے سے اُس کے بارے میں پوچھتا تھا۔ اب جبکہ وہ کئی دنوں سے مسلسل غائب تھی تو سب بازار والے پریشان تھے۔

دوکانداروں کی مشترکہ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ پولیس تھانے میں رپورٹ کی جائے چنانچہ اُنہوں نے شیر گڑھی پولیس تھانے میں اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروادی۔

کوئی ایک مہینہ گذر گیا لیکن لُدھیانی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا۔ کچھ نے سوچا شاید کوئی اس کے گھر سے آکے اُسے اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ ایک طبقے کا یہ خیال تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے اور جب وہ اچانک مر گئی ہوگی تو کچھ نے اُسے لاوارث سمجھ کے یا تو کسی انجان قبرستان میں دفنا دیا ہوگا یا پھر ہندو یا سکھ سمجھ کے جلا دیا ہوگا۔

ایک طبقہ وہ بھی تھا جو لُدھیانی کے اسطرح غائب ہو جانے پہ خوش تھا کیونکہ اُن کا کہنا تھا کہ اگر وہ عام طریقے سے مر جاتی تو پہلے اُسے دفنانے یا جلانے پہ جھگڑا کھڑا ہو جاتا اور پھر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُس کے لئے باقاعدہ ایک مزار بنایا جاتا اور چند لوگ اُس کی پرستش کرنا شروع کر دیتے۔

بات کچھ بھی ہو مگر یہ سچ تھا کہ لُدھیانی اچانک غائب ہو چکی تھی اور چاہنے والے تو الگ، اُس سے خائف اور دور بھاگنے والے لوگ بھی اب اُس کی کمی کو بری طرح محسوس کر رہے تھے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پھر ہوئے زخم ہرے

سیدھارتھ سینی ٹوریم بلڈنگ کی کھڑکی سے باہر جھانکتا ہوا سامنے شنکر آچاریہ پہاڑی کو دیکھے جارہا تھا۔ پہاڑی سر اُوپر اُٹھائے ہوئے آسمان سے باتیں کررہی تھی۔ اُس نے محسوس کیا کہ اب پہاڑی کے جاہ وجلال میں وہ بیس سال پہلے کا دبدبہ نظر نہیں آرہا تھا۔ شائد وقت کے ساتھ ساتھ یہ پہاڑی بھی بوڑھی ہوچکی ہے۔ جیسے کہہ رہی ہو" ارے احمق تم کیا دیکھ رہے۔ کوئی بھی چیز اپنی ہیئت یا صورت میں نہیں رہتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہر شے یا تو بدل جاتی یا بدل دی جاتی ہے مجھے دیکھو کتنا بدل دی گئی ہوں۔ ٹی وی ٹرانسمیٹر نسب کرنے کے بہانے میرے دامن کو چھلنی کردیا گیا اور میرے جسم کو چیر کے اُوپر تک سڑک بنادی گئی اور میرے جسم کو کھرچ کھرچ کے ننگا کردیا گیا اور میں اُف تک نہ کرسکی۔ اپنے آپ ہی کو دیکھو، تم بھی تو وہ بیس سال پہلے کے سِدھارتھ نہیں ہو۔"

وہ اب کمرے سے نکل کے باہر ہسپتال کے لان میں آگیا اور سامنے ڈل جھیل کو دیکھنے لگا۔ جواب جھیل کم بلکہ دور دور تک پھیلے ہوئے مکانات اور بستیوں کے جھنڈ دکھائی دے رہی تھی۔ جھیل کے بیچوں بیچ محلّوں کے محلّے آباد ہوچکے تھے۔ جھیل رفتہ رفتہ ایک بڑے تالاب میں تبدیل ہورہی تھی۔ لگتا تھا یہ مکانات اور بستیاں جھیل کو نگل رہے ہیں۔ جھیل کے ایک حصے میں پانی کے اُوپر سبز رنگ کی کائی پھیل کے ایسے لگ رہی تھی جیسے میدان ہو۔ سِدھارتھ سوچنے لگا کہ وہ صاف وشفاف پانی کہاں گیا اور بیس سال پرانی اُس جھیل کو کیا کردیا ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہاں کے لوگوں نے۔ وہ مایوس ہو کے جلدی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

سِدھارتھ دہلی یونیورسٹی میں سیاسیات کا پروفیسر تھا مگر یہاں ٹی۔ بی۔ کے مریض کی حیثیت سے آیا تھا۔ ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق سرینگر شہر کے سینی ٹوریم میں داخل ہوا تھا۔

کچھ سال پہلے جب کھانسی اور بخار نے اُسے آگھیرا اور لاکھ علاج کے باوجود افاقہ نہیں ہوا تب تشخیص سے پتہ چلا کہ وہ ٹی۔ بی کے مرض میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ علاج جاری رکھتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لئے کسی صحت افزا مقام پہ جائے۔ ایسے میں اُس نے فوراً کشمیر کا انتخاب کیا کیونکہ وہاں پرانی یادیں وابستہ تھیں۔

سِدھارتھ جو لاکا محلّہ جموں کا رہنے والا تھا۔ اُس نے آرٹس کالج جموں سے اچھے نمبرات سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور پھر کشمیر یونیورسٹی میں سیاسیات کے شعبے میں داخلہ لیا۔ چونکہ اُس کے لئے اُن دنوں کشمیر میں رہنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے اُس نے ایک واقف کی وساطت سے سرینگر کے وزیر باغ محلے میں لالہ جنک راج کوہلی کے گھر میں پیئنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنا شروع کر دیا۔ گھر میں لالہ جی کے علاوہ اُن کی پتنی جسے سب 'بے جی' کہتے تھے اور ایک لڑکا بھی تھا۔ لالہ جی کی امیرا کدل میں کریانے کی دوکان تھی اور لڑکا امر سنگھ کالج میں ایف۔ اے کا طالبعلم تھا۔ سِدھارتھ کے آنے سے لالہ جی خوش تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ایک تو گھر میں رونق بڑھ جائے گی اور ساتھ ہی بیٹے وِکرم کی پڑھائی میں مدد ہو جائیگی۔

یونیورسٹی کے دوسرے سال میں اُس کی ملاقات بھاونا سے ہوئی جس نے ہندی کے ایم۔ اے میں داخلہ لیا تھا۔ بھاونا ایک عام شکل وصورت والی لڑکی تھی لیکن اپنی کلاس میں شرافت کیلئے مشہور تھی۔ میانہ قد، سانولی رنگت، بادامی آنکھیں اور گھنے کالے بال تھے بھاونا کے۔ وہ بس قبول صورت تھی لیکن شرافت اور سادگی نے اُس کو ایک عجیب قسم کا حسن عطا کیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا۔ وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے بالکل مختلف سی دکھتی تھی اور سب نہ صرف اُسے پسند کرتے تھے بلکہ اُس کی عزت بھی کرتے تھے۔

سِدھارتھ بھی بس عام شکل وصورت والا لڑکا تھا۔ پرسنیلٹی بھی کوئی غیر معمولی نہیں تھی۔ ہاں البتہ اُس کی شرافت اور ذہانت کے چرچے پوری یونیورسٹی میں مشہور تھے۔

دونوں کی ملاقات یونیورسٹی جاتے ہوئے بس میں ہوئی تھی جو دھیرے دھیرے دوستی میں بدل گئی۔ دونوں کو ایک دوسرے کی شرافت اور سادگی اسقدر بھا گئی کہ وہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو چاہنے لگے۔ اب روز یونیورسٹی لان میں ملنا، پہروں باتیں کرنا اور پھر یونیورسٹی کی بس میں آنا جانا تقریباً روز کا معمول بن چکا تھا۔

بھاونا ایم۔اے ہندی پریوس (previous) سال میں تھی جبکہ سِدھارتھ ایم۔اے سیاسیات کے فائینل ایئر میں تھا۔ فائینل امتحان سے کچھ مہینے پہلے سِدھارتھ کو خیال آیا کہ ماں باپ سے بھاونا کے بارے میں بات کی جائے۔ اپنے بیٹے کی خوشی کے لئے اُس کے والدین مان گئے لیکن اُنہوں نے سِدھارتھ سے کہا کہ سرینگر آ کے وہ نہ صرف لڑکی کو دیکھیں گے بلکہ اُس کے ماں باپ سے بھی بات کریں گے۔ سِدھارتھ اور بھاونا ماں باپ کے تعلق سے اب مطمئن ہو چکے تھے اور اُنہیں اب پورا یقین تھا کہ یہ رشتہ ضرور اپنی منزل حاصل کرلے گا۔

کوئی تین مہینے بعد سدھارتھ نے فائنل امتحان دیدیا اور نتیجے کا انتظار تھا اور دوسری جانب بھاونا نے ایم اے پریویس (ہندی) پاس کرلیا تھا اور وہ اب فائینل ائر میں آچکی تھی۔

اب صرف سِدھارتھ کے والدین کا انتظار تھا تاکہ وہ سرینگر آ کے لڑکی کو دیکھ کے اور اُس کے والدین سے ملکے اس رشتے کو حتمی شکل دیں۔

بدقسمتی سے سرینگر آتے ہوئے جموں سرینگر شاہراہ پر رامبن کے قریب اُن کی بس حادثے کا شکار ہوگئی۔ بس سڑک سے لڑھک کر نیچے گہرے نالے میں گر گئی۔ کچھ سواریاں تو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

موقع پر ہی دم توڑ گئیں اور کچھ شدید زخمی ہوگئیں۔ سِدھارتھ کے ماں باپ بچ گئے مگر زخمی ہوگئے۔ ماں کو معمولی چوٹیں آئیں لیکن باپ شدید زخمی ہوگیا تھا۔ دونوں کو باقی زخمیوں کے ساتھ اُدھمپور ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ ماں تو ٹھیک ہوگئی لیکن باپ زخموں کی تاب نہ لاکے دو دن بعد چل بسا۔ سِدھارتھ نے جموں پہنچ کے باپ کا کریا کرم کیا اور ماں کو دلاسہ دیا۔ یہ خبر سُن کے بھاونا کے پتا، چچا اور ماموں بھی جموں پہنچ گئے اور اُنہوں نے بھی سِدھارتھ کے پتا کے کریا کرم میں شرکت کی۔

سِدھارتھ کے پتا کے دیہانت کی وجہ سے بھاونا سے رشتے کا معاملہ کچھ دیر کیلئے کھٹائی میں پڑ گیا۔

ایک مہینے بعد سِدھارتھ کے امتحان کا نتیجہ نکلا۔ وہ یونیورسٹی میں اپنے شعبے میں اوّل آیا تھا۔ گھر والے، رشتے دار اور دوست یار خوش تو بہت ہوئے لیکن کامیابی کا جشن منا نہیں پائے کیونکہ اُس کے پتا جی کی اچانک موت نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔ اب اُسے خدشہ تھا کہ ماں بھاونا سے اُس کے رشتے کے لئے راضی رہنی چاہیئے۔

چند مہینوں بعد سِدھارتھ کو دہلی کے ایک کالج میں لیکچرار کی نوکری مل گئی مگر جانے سے پہلے اُس نے ماں سے بھاونا کے بارے میں بات کی مگر ماں نے بات ٹال دی۔ سِدھارتھ کا ماتھا ٹھنکا مگر وہ کچھ کہہ نہ پایا۔

دہلی جاکے نوکری جوائین کر لی لیکن بھاونا سے رابطہ برقرار رکھا۔ ماں سے پوچھنے پر اُسے پتہ چلا کہ ماں اب اس رشتے کے لئے تیار نہیں کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ بھاونا کا ستارہ گھر پر بھاری ہے۔ بقول ماں کے بھاونا آنے سے پہلے ہی اپنے سُسر کو کھا گئی۔ نہ جانے آگے کیا ہوگا؟ ماں نے سِدھارتھ کو سمجھایا کہ بھاونا کو بھول جاؤ اور دوسری لڑکیوں کے بارے میں سوچو جن کی طرف سے برابر رشتوں کی مانگ آرہی ہے۔

سِدھارتھ نئے رشتوں کے بارے میں برابر انکار کئے جارہا تھا مگر اس دوران وہ خطوط

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اورفون کے ذریعے بھاونا کو ہر خبر کے بارے میں مطلع کر رہا تھا۔ اُس نے بھاونا کو ماں کے خدشات کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ شائد اسی لئے بھاونا نے سِدھارتھ کو مشورہ دیا کہ اُسے ماں کی خواہش کا احترام کرنا چاہئے کیونکہ بقول اُس کے ہوسکتا ہے اسی میں اُن دونوں کی بھلائی ہو۔

ماں کی خواہش کا خیال رکھتے ہوئے سِدھارتھ نے بھاونا سے رشتے کا معاملہ فی الحال ملتوی کر دیا اور ماں کی جانب سے نئے رشتوں کے بارے میں بھی ٹال مٹول کا سہارا لیا۔ اُس نے اپنی اور بھاونا کی قسمت کی کشتی کو وقت اور حالات کے دھارے کے سہارے چھوڑ دیا۔ اس دوران بھاونا نے ایم اے (ہندی) پاس کرلیا۔

دو سال انتظار کرنے کے بعد بھاونا کے گھر والوں نے اپنی لڑکی کا رشتہ آر۔ ایس۔ پورہ جموں کے آرمی کیپٹن وشال گپتا سے کر دیا جس کی ڈیوٹی آسام میں تھی۔ اب سِدھارتھ کا بھاونا سے رابطہ بالکل منقطع ہوگیا اور وہ سب عہد و پیمان ٹوٹ گئے۔ رفاقتوں کے وہ گذرے لمحات چکنا چور ہو گئے محبت کی تاریخ میں ایک بار پھر روائیتوں کی جیت ہوگئی اور محبت ہار گئی۔

کوئی پانچ برس بعد سِدھارتھ کی ماں بھی پرلوک سدھار گئی اسلئے اب اُس کا اکیلے گھر میں رہنا مشکل ہوگیا تھا۔ اُس نے چونکہ دہلی یونیورسٹی کے سیاسیات کے شعبے میں لیکچرار کی نوکری حاصل کر لی تھی اسلئے اُس نے یونیورسٹی ہوسٹل ہی میں کمرہ حاصل کرلیا اور وہیں منتقل ہوگیا۔

کوئی مزید دو سال کے اندر اُس نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کر لی تھی اور ترقی کر کے وہ اب ریڈر بن چکا تھا۔

اُس نے اب شادی کا ارادہ بالکل چھوڑ دیا تھا اور اپنے پیشے میں مکمل طور سے منہمک ہو چکا تھا۔ تین سال بعد وہ دہلی یونیورسٹی کے سیاسیات کے شعبے میں باقاعدہ پروفیسر بن چکا تھا۔ اپنے مضمون پہ کئی کتابیں لکھ چکا تھا۔ اُس کے مضامین دنیا کے متعدد رسالوں میں اکثر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چھپتے تھے۔اب سیاسیات کے مضمون میں اُس کا ملک میں بڑا نام تھا۔

زیادہ محنت، پڑھائی، تحقیق اور مطالعے کے باعث اُس کی صحت بگڑتی جارہی تھی اور وہ اس جانب سے بالکل لاپرواہ ہوتا جارہا تھا۔ کچھ مہینوں سے اُسے مسلسل بخار اور کھانسی نے آگھیرا تھا اسلئے بادلِ نخواستہ اُسے ڈاکٹر سے رجوع کرنا پڑا۔ اُنہوں ے اُسے ہسپتال میں داخل کر دیا مگر کئی مہینوں کے علاج کے باوجود مکمل افاقہ نہیں ہوا۔ بخار اور کھانسی بار بار آگھیرتے تھے اس لئے ہسپتال کے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے باہمی مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ سِدھارتھ کو کسی صحت افزاء مقام پہ بھیجا جائے۔ اسلئے ڈاکٹروں نے اُسے مشورہ دیا کہ علاج کے ساتھ ساتھ اُسے کچھ مہینوں کے لئے کسی اچھے سینی ٹوریم میں جانا پڑے گا۔ ملک کے کئی مقامات کا ذکر کیا گیا۔

سِدھارتھ نے فوراً فیصلہ کیا کہ وہ کشمیر جائے گا۔ دراصل اُس کے ذہن میں علاج سے کہیں زیادہ کشمیر جانے کا شوق سوار ہوگیا۔ اُس نے سوچا کہ کشمیر کے ساتھ اُس کے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں۔

کشمیر آتے ہی اُس نے سرینگر میں ڈلگیٹ کے علاقے میں چیسٹ ڈِزیز Chust Disease ہسپتال میں داخلہ لیا۔

بیڈ پہ لیٹے لیٹے اُسے یاد آرہا تھا کہ آج سے تقریباً پندرہ برس پہلے وہ کشمیر یونیورسٹی کا طالبعلم تھا جہاں سے اُس نے سیاسیات میں ایم۔اے پاس کیا تھا یونیورسٹی میں پڑھائی کے دوران بھاونا سے ملاقات ہوئی تھی۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا لیکن پتا جی کے ایکسیڈنٹ اور بے وقت موت نے سب کچھ چکنا چور کر دیا تھا۔ اُسے ایک ایک کر کے سب کچھ یاد آرہا تھا۔ پھر اُسے اچانک خیال آیا کہ خدا جانے اب بھاونا کہاں ہوگی؟ اُسکے تو اب بڑے بڑے بچے ہونگے۔

کئی دن ہسپتال میں لیٹے لیٹے اُس کی طبیعت اُوب گئی تھی۔ بور ہورہا تھا وہ۔ اُس نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سوچا کیوں نا باہر جا کے شہر کی سیر کی جائے پرانی یادوں کو تازہ کیا جائے۔

آخر ایک دن سِدھارتھ ڈاکٹروں کی اجازت لے کے سرینگر شہر کی سیر کو نکل پڑا۔ پہلے وہ یونیورسٹی گیا اور اپنے شعبے سے وابستہ اساتذہ اور طالبعلموں سے ملا۔ اپنے زمانے کے صرف چند لوگ ملے۔ سیاسیات شعبے کے ہیڈ خلیل صاحب نے خوب استقبال کیا اور سٹاف کے دوسرے ممبران سے سِدھارتھ کا تعارف کرایا۔ سِدھارتھ نے کسی کو بھی اپنے کشمیر آنے کی اصل وجہ کے بارے میں نہیں بتایا کچھ دیر یونیورسٹی میں وقت گذارنے کے بعد وہ شہر کی جانب چلدیا۔

سرینگر میں وہ وزیر باغ میں جنک راج کوہلی کے مکان پہ پہنچا جہاں وہ طالبعلمی کے زمانے میں پیئنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہا کرتا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے پتہ چلا کہ لالہ جی کا دیہانت ہو چکا ہے مگر 'بے جی' زندہ ہیں البتہ ضعیف ہو چکی ہیں۔ وکرم اب شادی شدہ ہے اور بچوں کا باپ ہے۔ بچے سکول گئے ہوئے تھے اور وکرم دوکان پر تھا۔ بہو تو پہچان نہ سکی مگر سِدھارتھ نے جونہی بے جی کے پاؤں چھووے وہ اُسے پہچان گئی اور گلے لگا کے ماتھا چوما۔ سب گھر والوں کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد بے جی نے اُسے بتایا کہ پچھلے دو تین سال سے گرمیوں کے دنوں میں کوئی بھاونا نام کی عورت لگاتار اُس کے بارے میں پوچھتی رہی ہے۔ چونکہ ہمیں خود تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اسلئے ہم اُسے کبھی بھی کچھ بتا نہیں پائے۔ ہمارے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ مندر باغ سرینگر کی رہنے والی ہے اور وہاں اب بھی اُسکا مکان ہے جہاں وہ ہر سال گرمیوں کے دنوں میں دو ایک مہینے کیلئے آتی ہے۔ ''اُسے اس سال بھی اب تک آجانا چاہئے تھا۔ کیا معلوم آ بھی گئی ہو۔ تم یہیں ہمارے پاس رہو۔ ہوسکتا ہے پھر سے ملنے آجائے''۔ بے جی نے اصرار کیا۔

''نہیں بے جی میں کسی سرکاری کام سے آیا ہوں اور میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ میں فی الحال رُک نہیں سکتا۔ کوشش کر کے پھر آؤں گا۔ اگر دوبارہ آئی تو اُسے کہئے گا کہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اس موبائیل نمبر پر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔'' سِد ھارتھ نے کاغذ کی پرچی پہ اپنا موبائیل نمبر لکھ کے بے جی کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ اُنہوں نے چائے کیلئے بہت اصرار کیا تھا لیکن سِد ھارتھ بہانہ بنا کے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔

وزیر باغ سے نکل کے وہ تھری وہلر میں بیٹھ کے سیدھا مندر باغ روانہ ہوا تا کہ بھاونا کے بارے میں پتہ لگا سکے۔

مندر باغ پہنچ کے اُس نے دیکھا کہ مکان پہ تالا چڑھا ہوا ہے اور بقول ہمسائیوں کے وہ ابھی اس سال نہیں آئی اور ہوسکتا ہے کچھ دنوں میں آجائے۔

سِد ھارتھ نے اُس کے ہمسائیوں سے دریافت کیا کہ وہ اکیلی آتی ہے یا ساتھ میں پتی اور بچے بھی ہوتے ہیں؟ لیکن ایک ہمسایہ عورت نے سِد ھارتھ کو بتایا کہ ''بھاونا بالکل اکیلی ہے۔ دراصل اُس کی شادی کسی آرمی کیپٹن سے ہوئی تھی مگر وہ دوسال کے بعد ہی ایک حادثے میں مارا گیا۔ کوئی اولاد بھی نہیں تھی اسلئے اُس نے سسرال چھوڑ دیا اور جموں میں سرکاری سکول میں نوکری اختیار کر لی۔ یہاں اُس کے ماں باپ بھی اس صدمے سے ایک سال کے اندر اندر چل بسے اور وہ اپنے گھر میں اکیلی رہ گئی۔ اب وہ ہے اور سرینگر میں مندر باغ میں اُس کا یہ مکان۔ بھاونا نے پھر شادی نہیں کی اور ساری عمر شادی کے بغیر رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ آجکل وہ جموں میں گرلز ہائیر سکینڈری سکول میں لیکچرار ہے اور ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں دو ایک مہینے کیلئے یہاں آتی ہے۔''

سِد ھارتھ یہ سب سنتے بہت پریشان ہوگیا۔ اُس نے ہمسایہ عورت سے کہا کہ ''جب وہ آئے تو مہربانی کر کے میرا یہ کارڈ اُسے دیدیجئے گا اور کہئے گا کہ فون پہ بات کرے۔ میں انتظار کروں گا میں ابھی چند دن اور یہاں سرینگر میں ہوں۔'' سِد ھارتھ نے کہا اور جاتے جاتے اپنا وزیٹنگ کارڈ اُس ہمسایہ عورت کو دیدیا۔

تھری وہلر میں واپس ہسپتال جاتے ہوئے سِد ھارتھ ایک بار پھر ماضی کے حسین سپنوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں کھو گیا۔ اُس نے سوچا دراصل بھاونا اُسی کی تھی بھلا کسی اور کی کیسے ہوسکتی تھی؟ محبت کا یہ رشتہ گھوم کے پھر وہیں آ کے ٹھہر گیا ہے جہاں سے یہ شروع ہوا تھا۔ کون جانے اسکا انجام کیا ہوگا؟ ماضی کے زخم پھر سے رسنے لگے۔

ہسپتال آ کے کئی دن انتظار کرنے کے بعد بھی کوئی فون نہیں آیا۔ اس لئے وہ مایوس ہوگیا۔

کچھ دن بعد جب ایک رات وہ حسبِ معمول ہسپتال میں اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا کہ چند کمرے چھوڑ کے ایک کمرے سے بہت سے لوگوں کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ ٹھیک سے کچھ سمجھ نہیں پایا مگر اتنا ضرور لگتا تھا کہ کوئی حادثہ رونما ہوا ہوگا۔ کیونکہ کئی لوگ آرہے تھے اور جارہے تھے۔ سِدھارتھ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ ویسے بھی آدھی رات کو باہر نکل کے کسی سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں تھا۔

اگلی صبح جب صفائی کرنے والا کمرہ صاف کرنے آیا تو سِدھارتھ نے اُس سے رات کے شور اور ہنگامے کے بارے میں دریافت کیا لیکن اُس نے صرف اتنا کہا کہ کسی بیمار کی موت واقع ہوئی تھی اور ہسپتال کیلئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

کچھ دیر بعد نرس کمرے میں داخل ہوئی تا کہ درجہ حرارت اور بُلڈ پریشر چیک کرے۔ سِدھارتھ نے اُس سے بھی رات کے شور اور ہنگامے کے بارے میں پوچھا۔

''سر جموں کی کوئی عورت اپنا چیک اپ کروانے آئی تھی لیکن یہاں اُسے اچانک دل کا دورہ پڑا۔ انتہائی نگہداشت کمرے میں منتقل کرنے سے پہلے ایک اور زبردست دل کا دورہ پڑا اور وہ بے چاری مرگئی۔'' نرس نے بلڈ پریشر چیک کرتے ہوئے کہا۔

''کون تھی؟ کیا نام تھا اُس کا؟ جموں کے کس علاقے کی رہنے والی تھی؟'' سِدھارتھ نے ایک ہی سانس میں سب سوال پوچھ ڈالے۔

''سر سب کچھ تو معلوم نہیں ہوسکا۔ ہاں البتہ یہ سننے میں آیا ہے کہ جموں میں ٹیچر تھی اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ کشمیر آئی تھی۔ یہاں آتے ہی اچانک طبیعت خراب ہوگئی۔ گھر جانے سے پہلے اُس کی کی سہیلیاں اُسے چیک اپ کے لئے یہاں ہسپتال لے آئیں مگر بدقسمتی سے یہاں دل کا دورہ پڑا جس سے ہارٹ فیلیئر ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے بچانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے پھر اُس کی سہیلیوں نے راتوں رات ٹیکسی کا انتظام کروا کے اُس کی باڈی کو جموں لے گئے کیونکہ بقول اُنکے یہاں اُس کے گھر میں کوئی نہیں رہتا۔''

سِدھارتھ نے پریشان ہو کے نرس سے پوچھا۔ ''نام کیا تھا اُس کا؟''

''سر کہتے تھے اُس کا نام بھاونا تھا۔'' نرس نے جوابدیا

یہ سنتے ہی سِدھارتھ سر پکڑ کے بستر پہ گر گیا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں مرتی ہے ماں

والدہ کی وفات کے بعد سَرور ہر جمعرات کو فجر کی نماز کے بعد نزدیکی آبائی قبرستان پہ جا کے والدین کی قبروں پہ فاتحہ پڑھا کرتا تھا۔ والد پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ دونوں والد اور والدہ کی قبریں ساتھ ساتھ تھیں۔ سَرور کی یہ جمعرات کو فاتحہ پڑھنے کی عادت کوئی دو سال سے جاری تھی۔ ویسے جمعرات کے علاوہ بھی ہر متبرک دن جیسے عید الفطر، عید الضحیٰ، عید میلاد، شبِ قدر کے بعد کا دن وغیرہ وغیرہ پر بھی وہ فاتحہ پڑھنے قبرستان جایا کرتا تھا۔

آج جمعرات کا دن تھا اور اُسے یاد آیا کہ صبح کی نماز کے فوراً بعد اُسے اپنے ہمسایہ دوست منیر کے ساتھ اننت ناگ جانا ہے۔ جلد روانگی کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ صبح نو بجے سے پہلے پہلے وہاں کچہری میں حاضر ہو سکیں۔ کچہری میں حاضری کی تاریخ اور وقت پہلے ہی مقرر ہو چکے تھے۔ دراصل وہاں کچھ مہینے پہلے بیچی ہوئی زمین کی تصدیق کرانا مطلوب تھی اور وہاں کے جج صاحب نے آج ہی کی تاریخ مقرر کی تھی۔

سَرور کو خیال آیا کہ آج جمعرات ہے اور فاتحہ پڑھنے قبرستان بھی جانا ہے اس لئے روز مرہ کی عادت سے ہٹ کے کیوں نا فجر کی نماز سے پہلے ہی قبرستان جایا جائے اور واپس آ کے نماز ادا کرنے کے بعد ناشتہ کر کے فوراً اننت ناگ روانہ ہو جائیں تاکہ وہاں نو بجے سے پہلے پہنچ سکیں۔ اُس نے اپنے دوست منیر سے مشورہ کر کے یہ پروگرام طے کر لیا تھا اور اُسے صبح ناشتہ کرنے کے بعد تیار رہنے کو کہا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چونکہ آج کل ہماری وادی کے لوگ شہر یا شہر سے باہر کے کاموں کے پروگرام اکثر قبل از وقت پوری چھان بین کرنے کے بعد بناتے ہیں اور ہر علاقے کے حالات کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے کیونکہ آئے دن کہیں نا کہیں ہڑتال، کرفیو، کریک ڈاؤن، انکاونٹر، بندشیں وغیرہ ہوتی رہتی ہیں۔ جہاں تک اننت ناگ کا تعلق ہے یہ علاقہ اور خصوصاً جنوبی کشمیر آج کل زیادہ تر سرخیوں میں رہتا ہے اسلئے سَرور نے فیصلہ کرلیا تھا کہ صبح جلد روانہ ہوا جائے۔

سَرور نے جلدی سے وضو کیا، منہ ہاتھ دھویا اور جلدی جلدی قبرستان کی جانب روانہ ہوگیا۔ گو ابھی پوری طرح پو بھی نہیں پھوٹی تھی اور تقریباً اندھیرا ہی تھا لیکن اُسے فجر کی اذان سے پہلے ہی واپس لوٹنا تھا۔

قبرستان پہنچ کر اُس نے والدین کی قبروں پہ فاتحہ پڑھی اور جونہی مُڑا ٹھٹھک کے رہ گیا کیونکہ اُس نے سامنے والے پلاٹ میں ایک قبر کا دہانہ پوری طرح کھلا پایا۔ قبر پوری طرح کھلی تھی اور لحد بھی خالی نظر آرہی تھی۔ مٹی دائیں بائیں ڈھیروں کی صورت میں جمع تھی۔ آگے جاکے دیکھا تو قبر خالی تھی اور میّت غائب۔

سَرور کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ''آخر میّت کہاں گئی؟ کون لے گیا؟ آس پاس بھی تو کہیں نظر نہیں آرہی۔ کہیں ایسا تو نہیں آج ہی کسی کی موت واقع ہوئی ہو اور یہ نئی قبر کھودی گئی ہو۔ مگر کسی کو تو یہاں موجود ہونا چاہیئے تھا''۔ اچانک اُس کی نظر قبر کے سرہانے نصب ماربل کی پلیٹ پر پڑی۔ ہمت کرکے اُس نے موبائیل فون کی ٹارچ کی روشنی میں پلیٹ پہ لکھی ہوئی عبارت کو پڑھا۔ لکھا تھا ''اہلیہ محمد عظیم ساکن ارمان پورہ۔ تاریخ وفات ۱۲/ جولائی ۲۰۱۸ء۔ یہ پڑھتے ہی وہ منہ ہی منہ میں بے ساختہ بڑبڑایا۔ ارے یہ تو چند دن پہلے کی بات ہے لیکن ہمیں معلوم ہی نہیں۔

سَرور بھاگا بھاگا گھر آیا اور نماد ادا کرنے مسجد روانہ ہوگیا۔ نماز کے فوراً بعد اُس نے اپنے دوست منیر کو یہ سارا ماجرا سُنایا اور کہا کہ پہلے ہم ارمان پورہ جاکے مرحومہ کے بارے میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دریافت کریں گے تا کہ میّت کے غائب ہونے کے معمے کا کوئی حل نکل آئے۔

لیکن مُنیر کو سَرور کی بات پہ یقین نہیں آیا اور اُس نے سَرور سے کہا کہ ''تم دراصل نیند کی حالت میں قبرستان گئے تھے اس لئے جو تم نے دیکھا محض تمہارا وہم ہے۔ بھلا میّت کہاں جائیگی؟ کون لے جائے گا اُسے؟ اور کوئی کیوں لے جائے گا؟ چھوڑو اس قصے کو اور خوامخواہ اپنے آپ کو پریشان نہ کرو۔ اننت ناگ سے آنے کے بعد اس بارے میں سوچیں گے۔''

پر بھلا سَرور کہاں ماننے والا تھا۔ اُس نے منیر سے اصرار کیا کہ وہ بھی چل کر دیکھے۔ اس لئے جلدی ناشتہ کر کے دونوں اننت ناگ یا ارمان پورہ جانے سے پہلے قبرستان کی طرف چلدئے۔ وہاں پہنچتے ہی سَرور عجیب شش و پنج میں پڑ گیا اور حیرت سے اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کیونکہ وہاں سب ٹھیک تھا۔ سامنے والی قبر بالکل ٹھیک ٹھاک تھی اور اُس کے سرہانے لگی ہوئی ماربل کی تختی سَرور کا منہ چڑا رہی تھی۔ اُس پہ اب لکھائی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ وہ تمہارا وہم تھا۔ بھلا قبر کُھلی کیوں ہوتی؟ اور پھر میّت غائب کیوں ہوتی؟ جھٹک دو اس وہم کو اپنے ذہن سے۔ اب ارمان پورہ جانے کا کوئی مطلب نہیں۔'' منیر کی باتوں نے سَرور کو چونکا دیا۔ جو شائد اسی سوچ میں گم تھا۔

دونوں اب منیر کی گاڑی میں بیٹھ کے اننت ناگ روانہ ہو گئے۔ راستے بھر سَرور سوچتا رہا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو اُسنے دیکھا تھا غلط تھا۔ اُس نے تو پورے ہوش و حواس میں قبر کو خالی دیکھا تھا اور پھر موبائیل فون کی ٹارچ کی روشنی میں لحد کے اندر بھی جھانک کے دیکھا تھا۔ اُس وقت قبر کے دونوں جانب مٹی کے ڈھیر بھی تھے۔ پھر یہ سب کیسے ہو گیا؟ ایک گھنٹے کے اندر اندر بھلا میّت کیسے واپس قبر میں آ گئی؟ اور پھر جو دائیں بائیں مٹی تھی وہ کیسے برابر کر دی گئی؟ ایسا تو شائد صرف مافوق الفطرت لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ اُس نے دل ہی دل میں یہ طے کر لیا کہ اننت ناگ سے واپسی پر وہ ضرور اس راز کا پتہ لگائے گا کیونکہ اُسے پورا یقین تھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ جو کچھ بھی اُس نے دیکھا تھا سو فیصدی سچ تھا۔ اُس نے سوچا کہ کم از کم اس بات کا پتہ تو لگانا ہی پڑے گا کہ اہلیہ محمد عظیم کون ہے؟ اور اُس کی وفات کیسے ہوئی؟ شاید ان معلومات سے اس راز کا پردہ ہٹ جائے۔ ویسے بھی ارمان پورہ اُس کے گھر اور قبرستان سے زیادہ دور نہیں تھا اسلئے ان باتوں کا پتہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اننت ناگ جاتے ہوئے راستے بھر منیر خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا اور سَرور صرف اس واقعے کے بارے میں سوچتا رہا۔

سَرور ٹرانسپورٹ کارپوریشن میں ڈیپو منیجر تھا اور آج کل اُس کی ڈیوٹی ضلع بڈگام میں تھی۔ منیر اُس کا دوست اور ہمسایہ بزنس مین تھا اور بجلی کے سامان کی ٹریڈنگ سے اُس کا تعلق تھا۔ منیر کو جب پتہ چلا کہ سَرور کو کسی تصدیق کے سلسلے میں اننت ناگ جانا ہے تو اُس نے خود ہی پیش کش کی کہ وہ اپنی گاڑی میں اُسے اننت ناگ لے جائے گا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں اننت ناگ کچہری پہنچ گئے۔ رجسٹریشن کے بعد واپسی پہ دونوں دوستوں نے صرف اِدھر اُدھر کی باتیں کیں مگر سَرور نے میّت کے غائب ہونے کے معاملے پہ کوئی گفتگو نہیں کی۔ منیر نے اگر ذکر چھیڑا بھی تو سَرور نے بات ٹال دی۔ سَرور نے آج اپنے دفتر سے چھٹی لے رکھی تھی اسلئے اُس نے پہلے ہی سے ارادہ کر لیا تھا کہ اننت ناگ سے واپسی پر وہ ضرور ارمان پورہ جائیگا۔ وہاں وہ متوفی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ شاید اس سے میّت کے غائب ہونے کے راز پر سے پردہ ہٹ جائے۔ اُس نے اپنے اس ارادے کے بارے میں منیر سے کچھ نہیں کہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ منیر اس معاملے کو اس کی ذہنی اختراع اور وہم سمجھ رہا ہے اس لئے فی الحال اُس سے اس بارے میں بات کرنا فضول ہے۔

سرینگر پہنچ کے دونوں اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ سَرور جلدی سے منہ ہاتھ دھو کے اکیلا ارمان پورہ چلدیا۔ مرحومہ کے بارے میں دریافت کیا اور پتہ چلا کہ اہلیہ محمد عظیم نے شادی کے آٹھ سال بعد ایک لڑکے کو جنم دیا تھا اور بچے کی پیدائش کے دوران ہی اُس کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

موت واقع ہوئی تھی۔ بچہ زندہ ہے اور اپنے باپ اور وادی کے پاس اسی محلے میں ہے۔ سَرور نے پوچھ تاچھ کے دوران کسی کو بھی میّت کے غائب ہونے کے بارے میں نہیں بتایا لیکن یہ سوچ لیا کہ مزید معلومات کے لئے محمد عظیم صاحب سے ملاقات کرنی پڑے گی۔

دوسرے دن وہ فجر کی نماز کے بعد اپنے ہمسایہ دوست منیر کو ساتھ لے کے قبرستان چلدیئے۔ وہاں پہنچتے ہی دونوں کے منہ کُھلے کے کُھلے رہ گئے جب اُنہوں نے سامنے والی اہلیہ محمد عظیم کی قبر کا دہانہ کھلا پایا اور میّت غائب تھی۔ اب منیر کو بھی یقین ہو گیا کہ سَرور کی بات سچ تھی۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گیا کہ بھلا قبر کھود کے میّت کون لے جاتا ہے؟ اور کیوں لے جاتا ہے؟ پھر دن چڑھتے ہی اُسے واپس دفنا دیتا ہے۔

اب دونوں دوستوں نے فیصلہ کر لیا کہ ارمان پورہ جا کے عظیم صاحب کو ڈھونڈھ نکالا جائے اور اُسے سارا قصہ سنایا جائے بلکہ اُسے ساتھ لا کے یہ سب کچھ دکھایا جائے۔ وہ جلدی جلدی ارمان پورہ پہنچے اور محمد عظیم کو مل کے یہ سارا ماجرہ سنایا۔ تینوں جلدی سے قبرستان پہنچے مگر وہاں خلاف توقع سب کچھ ٹھیک دیکھا۔ قبر بالکل صحیح حالت میں تھی اور اُسے دیکھ کے لگتا تھا جیسے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی ہو۔

گھر آ کے عظیم صاحب نے بتایا اُسے بھی کئی دنوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ روز رات کوئی آ کے بچے کو دُودھ پلاتا ہے کیونکہ پہلے ایک آدھ دن بچے نے دُودھ یا کوئی بھی مشروب پینے سے مسلسل انکار کیا اور صرف روتا رہا۔ ڈاکٹر کو دکھانے کے باوجود بھی بچے کی حالت میں کوئی سُدھار نہیں آیا مگر اب کوئی تین دن سے منارات کو آرام سے سوتا ہے اور دن میں کسی چیز کو منہ تک نہیں لگاتا۔ اُس نے مزید بتایا کہ ''کل جب میں پھر مُنے کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو ڈاکٹر نے معائینہ کرنے کے بعد کہا کہ آپ نے اچھا کیا کہ بچے کو عورت کی چھاتی کا دُودھ پلایا ہے۔ بچے کی صحت کے لئے عورت کی چھاتی کے دُودھ سے بہتر کوئی دوا نہیں کیا کسی عورت کو بچے کے دُودھ کیلئے رکھا ہے؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عظیم نے کہا ''میں نے سوچا اس بارے میں ڈاکٹر کو کچھ نہ بتایا جائے اسلئے میں نے کہا جی ہاں فی الحال ایک ایسی ہی عورت کا انتظام کیا ہے۔''

عظیم کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا ''مجھے یقین ہو چلا ہے کہ ضرور جمیلہ (عظیم کی متوفی اہلیہ) کی رُوح رات کو آ کے مُنے کو دُودھ پلاتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے میں بتا نہیں سکتا۔ اب بھلا یہ بات کسی کو کیا بتائیں؟ کون یقین کرے گا؟ دراصل میں پچھلے تین دن سے یہ محسوس کر رہا تھا کہ روز رات کے پچھلے پہر دروازے کی بند چٹخنی کے باوجود کوئی مُنے کے کمرے میں داخل ہوتا ہے اور مُنے کو دُودھ پلاتا ہے کیوں کہ منا روتے روتے خاموش ہو جاتا ہے اور پھر باقاعدہ دُودھ چوسنے کی آواز آتی ہے۔ اصل میں مُنا میرے بیڈ روم کے ساتھ والے کمرے میں میری والدہ اور آیا کے پاس سوتا ہے اس لئے میں آہٹ سُن کے جاگ جاتا ہوں مگر حیرت ہے کہ والدہ اور آیا کو اس بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ میں نے بھی اُن دونوں کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا سوچا وہ دونوں خوفزدہ ہو جائیں گی۔ میں نے خود اُٹھ کے آنے والے کو دیکھنا چاہا مگر میری ٹانگیں اُس وقت ہل نہیں پاتی ہیں اور میں کچھ بول بھی نہیں پاتا۔ آنکھیں کھولنا چاہوں تو کھول نہیں سکتا۔ بس جس وقت وہ روح آتی ہے میں ایک بے جان آدمی کی طرح ہو جاتا ہوں جو صرف سن سکتا ہے اور محسوس کر سکتا ہے مگر ہل نہیں سکتا، دیکھ نہیں سکتا اور بول نہیں سکتا۔ صبح اُٹھتے ہی لگتا ہے جیسے میں نے رات میں کوئی خواب دیکھا ہو۔'' یہ کہتے کہتے عظیم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے بہہ نکلے اور ان آنسوؤں کو رومال سے پونچھنے کے بعد وہ پھر کہنے لگا۔ ''اب آپ ہی بتاؤ یہ بات میں بھلا کس کو بتاؤں؟ آج کے دور میں کون یقین کرے گا ان باتوں پہ۔ آپ لوگوں کو تو اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ دونوں بھی کسی حد تک اس راز سے واقف ہو گئے ہو۔ اب سوچتا ہوں کہ خدانخواستہ مُنے کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔''

''آپ بے فکر رہیں عظیم صاحب ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ راز بس راز ہی رہے گا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لگتا ہے ڈاکٹر کے علاج کے علاوہ ہمیں کسی رُوحانی بزرگ کو ڈھونڈنا پڑے گا تاکہ اُس سے مل کے اس بارے میں پوچھا جائے۔ انشاء اللہ ضرور کوئی حل نکل آئے گا''۔ سَرور نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

عظیم نے فوراً کہا کہ ''میں اس بارے میں لوگوں سے دریافت کر چکا ہوں اور سننے میں آیا ہے کہ یہاں سے کوئی بیس کلومیٹر دُور گاندربل علاقے میں کوئی اطہر صاحب ہیں جو بہت نیک خدا دوست بزرگ مانے جاتے ہیں۔ اُن کے پاس بڑی تعداد میں روز لوگ اپنے مسائل لے کے جاتے ہیں۔ کیوں نا میں بھی اُن ہی کے پاس جاؤں؟''

اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ چلیں؟ سَرور نے عظیم سے اجازت چاہی۔

''کیوں نہیں ضرور چلئے۔ یہ تو میرے لئے باعث مسرت ہوگا۔ بلکہ آپ لوگوں کے ساتھ چلنے سے میرا حوصلہ بھی بلند ہو جائیگا''۔ محمد عظیم نے کہا۔

دوسرے دن بعد دوپہر یہ تینوں منیر کی گاڑی میں بیٹھ کے گاندربل کی طرف چلدیئے۔ کوئی ایک گھنٹے بعد یہ لوگ بتائے ہوئے پتے کے مطابق اطہر صاحب کے گھر پہنچے۔ وہاں لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا جو شائد ان ہی کی طرح اپنے اپنے مسائیل لے کے اس خدا دوست بزرگ سے ملنے آئے تھے اس لئے کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد ان کے ملنے کی باری آئی۔

ایک بڑے سے کمرے میں ایک کونے میں اطہر صاحب بیٹھے تھے اور کمرے میں اُن کے سامنے اور بھی کئی لوگ بیٹھے تھے۔ دیکھنے میں اطہر صاحب کوئی اسی پچاسی سال کے بزرگ لگتے تھے۔ لمبی گھنی سفید داڑھی، سر پہ سفید نمازی ٹوپی، بڑی بڑی آنکھوں پہ کالے فریم کی عینک، کشمیری فِرن پہنے ہوئے۔ ہم لوگوں نے داخل ہوتے ہی سلام بجالایا اور کمرے میں ایک طرف کو بیٹھ گئے۔ اُنہوں نے جلدی جلدی سب کو فارغ کر دیا اور ہمیں قریب آنے کو کہا۔ اور آنے کا سبب پوچھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عظیم صاحب نے اور قریب جا کے سرگوشی کے انداز میں سارا ماجرا بیان کیا۔ کچھ دیر سننے کے بعد اطہر صاحب نے عظیم سے پوچھا کہ اس بارے میں کس کس کو بتایا ہے۔

''نہیں ابھی تک سوائے ان دو اصحاب کے کسی اور کو اس بارے میں کوئی علمیّت نہیں ہے۔ دراصل ان دونوں نے میری اہلیہ کی قبر خالی دیکھی تھی اور مجھے آ کے بتایا تھا''۔ سَرور نے وضاحت کی۔

جواب سنتے ہی اطہر صاحب نے اپنی آنکھیں موند لیں اور کافی دیر تک اسی حالت میں بیٹھے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے رہے۔ شائد کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور عظیم صاحب سے دھیمی آواز میں کہا۔ ''بس ٹھیک ہے اب مزید کسی اور کو اس بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اور ہاں اس روح کو چھونے یا پکڑنے کی کوشش نہیں کیجئے گا۔ میں آج رات عبادت کروں گا اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ ویسے بھی لگتا ہے شائد وہ خود ہی آنا چھوڑ دے۔ بچے کی صحت کا خیال رکھئے گا اور ڈاکٹری علاج جاری رکھیئے گا اور آہستہ آہستہ بچے کو بازاری دُودھ پینے کی عادت ڈالئے''۔ اطہر صاحب یہ کہتے کہتے کچھ دیر کے لئے پھر خاموش ہو گئے اور پھر آنکھیں کھولیں اور کہنے لگے۔

''میرا علم کہتا ہے کہ جب ماں کی روح کو لگا کہ بچہ دُودھ نہیں پیتا اور اُس کی جان کو خطرہ ہے تو اُس سے رہا نہیں گیا اور اُس نے چاہا کہ وہ خود ہی اُسے اپنا دُودھ پلائے۔ میّت قبر سے غائب ہو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہوسکتا ہے یہ محض سَرور صاحب کے لئے ایک اشارہ ہوتا کہ اصل واقعے کا پتہ چل سکے۔ اب آپ فوراً اپنی اہلیہ کے ایصال ثواب کے لئے اپنے گھر میں درودِ نجات کا اہتمام کیجئے اور کچھ غریب اور محتاج لوگوں کو کھانا کھلایئے۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ عظیم صاحب آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ماں کا پیار لافانی ہے وہ کبھی مرتا نہیں اور جب تک اولاد زندہ ہے ماں مرتی نہیں''۔ یہ کہہ کے اطہر صاحب خاموش ہو گئے۔

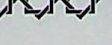

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رُخ بدلے ہواؤں نے

حازم اور عدنان دونوں انجینئرنگ کالج میں پڑھتے تھے اور دونوں کالج کے ہوسٹل میں رہتے تھے۔ حازم سیول انجینئرنگ برانچ کے پانچویں سمسٹر میں پڑھتا تھا جبکہ عدنان بھی پانچویں سمسٹر کا طالبعلم تھا لیکن اس کی برانچ میکنکل تھی۔

پڑھائی کے علاوہ ہوسٹلرز کیلئے روز شام کھیل کود کا اہتمام ہوتا تھا اور ہر لڑکا اپنے اپنے شوق کے مطابق کھیل کا انتخاب کرتا تھا۔ اسکے علاوہ ہوسٹل ٹورنامینٹس ہوتے تھے جس میں ہوسٹلرز کی اپنے اپنے منتخب کئے ہوئے کھیلوں میں شرکت لازمی تھی۔ ان ہی کھیلوں کی وساطت سے حازم اور عدنان ایک دوسرے کے بہت قریب ہوگئے اور گہرے دوست بن گئے۔ پچھلے دو سال میں اب وہ کالج کے قریب ترین دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ ہر ہفتے میں کم از کم دو ایک بار اکٹھے شہر جانا، ایک آدھ فلم دیکھنا اور شہر میں کسی ریسٹورینٹ میں چائے پینا یا کھانا کھانا اب ان دونوں کا معمول بن چکا تھا۔

ان دونوں کے اور بھی بہت سے دوست تھے لیکن حازم اور عدنان کی دوستی بس لازم و ملزوم بن چکی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھے بنا ایک دن بھی رہ نہیں سکتے تھے۔ پورے کالج میں ان دونوں کی دوستی مشہور تھی۔ دوسرے کلاس فیلوز، دوست، اور واقف لوگ تو یہ سوچ کے ہی پریشان ہوجاتے تھے کہ کالج سے فارغ ہونے کے بعد ان کا کیا ہوگا؟ کیا یہ دونوں دوستی قائم رکھ پائیں گے؟ جب ان دونوں سے بھی پوچھا جاتا تو ان کا جواب ہوتا کہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پیار، محبت اور دوستی ان بندشوں سے آزاد ہے۔ یہ بہتے پانی کیطرح ہے جو اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اُن کی دوستی ابدی ہے اور مرتے دم تک قائم رہے گی۔ پورے کالج کو ان کی دوستی پہ رشک تھا۔

حازم کا تعلق بارہمولہ کشمیر سے تھا جبکہ عدنان لکھنؤ اُتر پردیش کا رہنے والا تھا۔ دو ایک بار تو حازم چھٹی کے دنوں میں کچھ دنوں کیلئے عدنان کے ساتھ لکھنؤ بھی ہو آیا تھا۔ یہاں عدنان بھی کئی بار حازم کے ساتھ بارہمولہ گیا تھا جہاں سے یہ دونوں گلمرگ کی سیر بھی کر آئے تھے۔ غرض یہ کہ دونوں کالج کے ایّام کے باوجود بھی ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کیلئے دوسرے اوقات میں ساتھ رہنے کا بہانہ تلاش کر لیتے تھے۔

کالج کے دوسرے دوست بھی جب انہیں کسی فنکشن میں مدعو کرتے تو یہ خیال ضرور رکھا جاتا کہ دونوں کو اکٹھے مدعو کیا جائے ورنہ اگر صرف ایک ہی کو بلایا جائے تو دوسرا کسی نہ کسی بہانے شامل ہونے سے انکار کر دے گا۔

اکثر جاننے والے لوگ یہ سوچتے کہ اگر یہ دونوں ایک ہی علاقے سے تعلق رکھتے یا پھر شکل وصورت میں ذرا سی بھی مشابہت ہوتی تو سب انہیں جُڑواں بھائی سمجھ بیٹھتے۔ ویسے بھی ان دونوں میں ایک بات مشترک تھی کہ دونوں اپنے اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ دونوں کے کوئی بھی بھائی بہن نہیں تھا۔

ان کے اور بھی بہت سے دوست تھے۔ جیسے کلاس میٹس، ہوسٹل کے روم میٹس یا پھر کالج کے کھیلوں کی وساطت سے واقفیت وغیرہ۔

حازم کرکٹ اچھا کھیل لیتا تھا اسلئے ہوسٹل میں رہنے والے طلباء میں سے کرکٹ کھیلنے والے ہمعصر طلباء سب اُس کے دوست تھے۔ جہاں تک عدنان کا تعلق تھا وہ آوٹ ڈور کھیلوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا ہاں البتہ تھوڑا بہت ٹیبل ٹینس اور بیڈمینٹن کھیل لیتا تھا۔ اسلئے ان کھیلوں سے وابستہ لڑکوں کے ساتھ اُس کی اچھی دوستی تھی۔ لیکن جو دوستی کی سطح اور معیار

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عدنان اور حازم کے بیچ تھا وہ ان وقتی دوستوں سے مختلف تھا۔

ان دونوں کا اور دوستوں کے علاوہ ایک اور مشترکہ دوست تھا محسن جو کہ سرینگر شہر کا رہنے والا تھا اور میکنکل شعبے کے پانچویں سیمسٹر میں عدنان کے ساتھ پڑھتا تھا۔ محسن کی بہن کی شادی طے ہوئی تو اُس نے اور دوستوں کے علاوہ عدنان اور حازم کو بھی مدعو کیا۔ شادی کے دوران کالج سرکاری چھٹیوں کی وجہ سے تین دن بند تھا اسلئے کچھ اور لڑکوں کے علاوہ حازم اور عدنان نے بھی تین دن محسن کے گھر پر ڈیرہ جمالیا۔ سب دوستوں نے شادی میں مل کر خوب موج مستی کی۔ چونکہ عدنان پہلی بار کسی کشمیری شادی میں شرکت کر رہا تھا اسلئے اُس نے ہر رسم میں دل و جان سے شمولیت کی۔ وہ خاص طور پہ گوشت کے لذیذ پکوان دیکھ کے اور کھا کے دنگ رہ گیا تھا۔

شادی میں آئی ہوئی محسن کی بہن کی سہیلی عدنان کو پہلی ہی نظر میں بھا گئی۔ اُسے لگا کہ وہ لڑکی بھی اُس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ موقعہ ملتے ہی، ہمت کر کے اُس نے لڑکی سے نام اور پتہ وغیرہ پوچھ ہی لیا۔ لڑکی کا نام سائقہ تھا جو شہر کے ویمن کالج میں بارہویں جماعت کی طالبہ تھی۔

سائقہ خوبصورت تھی۔ دراز قد، گورا رنگ، سُنہرے بال، بادامی آنکھیں چھوٹا دہانہ، پتلے گلابی ہونٹ، لمبا چہرہ اور پتلا جسم۔ ویسے عدنان بھی کچھ کم نہ تھا۔ لمبا قد، کسرتی بدن، سانولہ رنگ، چوڑا ماتھا اور گھنے بال۔ بس دیکھنے میں بالی ووڈ فلموں کا ہیرو لگتا تھا۔

پہلی ہی نظر میں عدنان اور سائقہ ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے۔ تین دن کی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے آنکھوں ہی آنکھوں میں دونوں نے خوب عہد و پیمان باندھ لئے اور عمر بھر ملنے اور ایکدوسرے کا ساتھ نبھانے کا وعدہ کر لیا۔

نہ جانے جوانی میں انسان جلد باز کیوں ہو جاتا ہے اور خاص طور سے پیار کے معاملے میں بہت ہی بے صبر ہوتا ہے۔ شائد اُسے یا تو وقت پہ بھروسہ نہیں ہوتا یا پیار کے قائم رہنے پہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یقین نہیں ہوتا۔ چاہتا ہے کہ ہر کام جلد سے جلد ہو جائے حالانکہ کئی بار اُسے یہ جلد بازی مہنگی بھی پڑتی ہے شائد اسی لئے کہتے ہیں کہ جوانی اندھی ہوتی ہے۔

عدنان کو بھی اپنی اس چھوٹی سی ملاقات میں سائقہ ہاتھ میں آئی ہوئی مچھلی کی طرح لگ رہی تھی جو ذرا سی چوک سے ہاتھ سے پھسل سکتی ہے اسلئے وہ جلد سے جلد سائقہ کو اپنانا چاہتا تھا اور اس شوق میں وہ اُسے دیوانہ وار چاہنے لگا تھا لگتا تھا سائقہ بھی عدنان کے پیار میں دیوانی ہو چلی تھی۔

حازم اپنے دوست کی اس نئی تبدیلی اور حالت کو سمجھ رہا تھا اور اُسے برابر نصیحت کئے جا رہا تھا کہ وہ صبر سے کام لے اور جلد بازی نہ کرے لیکن بھلا محبت یہ سب کہاں مانتی ہے۔

عدنان اور سائقہ نے نہ صرف ملنے ملانے کے وعدے کر لئے بلکہ یہ بھی عہد کر لیا کہ دونوں تعلیم مکمل کرتے ہی ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ مرتا کیا نہ کرتا حازم نے بھی ان دونوں کا ساتھ نبھانے کا وعدہ کر لیا اور یہ بھی کہا کہ وہ اس معاملے میں نہ صرف اُن کا ساتھ دے گا بلکہ ہر قدم پر اُن کی مدد کرے گا۔

اب عدنان اور سائقہ اکثر ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ ملنے کے لئے نئے نئے بہانے اور جگہیں تلاش کرتے۔ اپنی تعلیمی مصروفیات سے وقت چرا کے ملتے کبھی کسی چنار کے سائے میں، کبھی کسی باغ کے گوشے میں، کبھی کسی غیر معروف ریستوران میں۔ دونوں کا راز دار حازم تھا جو عدنان کو لاکھ سمجھانے کے باوجود دوستی کے باعث پیغام رسانی کا رول نبھا رہا تھا۔ حازم اکثر عدنان کو سمجھاتا کہ پڑھائی مکمل کرنے کے بعد اپنی زندگی کے بارے میں سوچو۔ اُس نے عدنان کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنی پڑھائی کے ایسے سٹیج پہ پہنچا ہے جہاں ذرا سی لاپرواہی سارے کئے کرائے پہ پانی پھیر دی گئی۔ حازم نہیں چاہتا تھا کہ سائقہ اور عدنان کا پیار اُن کی پڑھائی پہ اثر انداز ہو۔

لیکن محبت اندھی ہوتی ہے۔ محبت اثرات اور حالات کے بارے میں نہیں سوچتی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

محبت صرف ملاقات کے بارے میں سوچتی ہے اور پلان کرتی ہے کہ یہ وقت طویل سے طویل تر ہوتا جائے۔ رکاوٹوں اور اڑچنوں کو دور کرنے کے بارے میں سوچتی ہے۔

حازم نے جب دیکھا کہ عدنان اور سایقہ کا پیار اب اُس مقام پہ پہنچ چکا ہے۔ جہاں اُسے روکنا یا کم کرنا بہت مشکل ہے اس لئے اُس نے بھی ان دونوں کا ساتھ بھرپور طریقے سے دینا شروع کر دیا۔ وہ اب نہ صرف ان دونوں کے پیغامات اِدھر اُدھر لے جاتا تھا بلکہ ان کی ملاقات کے راستے بھی تلاش کرتا اور پھر باقاعدہ ملاقات کیلئے جگہ کا انتخاب اور وقت کا تعین بھی وہی کرتا تھا حازم نہ صرف اُن کی محبت کا راز دار تھا بلکہ بہت بڑا سہارا بھی تھا۔

حازم اب انجینئرنگ کورس کے آٹھویں سیمسٹر میں آ گیا تھا اور جوں توں کر کے عدنان بھی آٹھویں سیمسٹر تک پہنچ چکا تھا۔ دونوں اپنے اپنے کورس کے آخری مراحل میں تھے جسے مکمل کرنے میں کامیابی حاصل کرنا دونوں کا بنیادی مقصد تھا۔

عدنان اور حازم دونوں پڑھائی میں پوری طرح مشغول ہو گئے کیونکہ چند دنوں بعد کالج امتحان کی چھٹیوں کے لئے مہینے بھر کیلئے بند ہونے والا تھا۔ اُس کے بعد فائنل امتحانات شروع ہونے والے تھے۔

اچانک ایک دن عدنان کو گھر سے آیا ہوا تار ملا اور ساتھ ہی فون پہ اطلاع ملی کہ اُس کی والدہ شدید بیمار ہے اور عدنان سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ بہت پریشان ہو گیا اور حازم سے مشورے کے بعد اُس نے فیصلہ کر لیا کہ چند دنوں کیلئے چھٹی لے کے وہ ماں سے ملنے لکھنؤ جائے۔ اُس نے حازم کے ذریعے سایقہ کو بھی پیغام بھیجا تا کہ جانے سے پہلے اُس سے مل سکے۔

آخر دوسرے ہی دن تینوں چشمہ شاہی باغ میں ملے۔ حازم ان دونوں کو چھوڑ کے کہیں چلا گیا تا کہ وہ دونوں کھل کے بات کر سکیں۔ عدنان نے سایقہ کو سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ ماں سے ملنے کے بعد فوراً واپس آ جائیگا کیونکہ فائینل امتحان سر پہ آن کھڑا ہے اسلئے وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زیادہ دن گھر میں نہیں رہ سکتا اور سائقہ سے کہا کہ وہ اپنا خیال رکھے اور مزید کہا کہ اگر کسی چیز کی ضرورت آن پڑے تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے وہ حازم سے کہہ سکتی ہے اور استدعا کی کہ اُس کی ماں کی صحتیابی کے لئے دعا کرنا۔

کچھ ہی دیر بعد جب حازم بھی آ گیا تو عدنان نے اُس سے بھی کہا کہ سائقہ کا خیال رکھنا اور ہدائت کی کہ اسے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو پوری کر دینا۔ اور اگر ضرورت پڑی تو فون پہ مطلع کر دینا۔

تھوڑی دیر بعد تینوں چشمہ شاہی باغ سے اُٹھ کے چلدیئے۔ وقت رخصت سائقہ کی آنکھیں اشکبار تھیں اور عدنان بھی بہت دُکھی تھا۔ دونوں کا جدائی کے سبب برا حال تھا۔

دوسری صبح عدنان بذریعہ جہاز گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ائیر پورٹ پہ حازم نے اُسے الوداع کیا۔

لکھنؤ پہنچتے ہی عدنان نے دیکھا کہ ماں بہت بیمار ہے اور گھر کے سب لوگ بہت پریشان ہیں۔ عدنان کو دیکھتے ہی ماں نے آنکھیں کھولیں اور دل ہی دل میں بیٹے کی بلائیں لی۔ عدنان نے بھی ماں کا ہاتھ تھام کے اُس کا ماتھا چوما۔

سب گھر والوں کو محسوس ہوا کہ عدنان کو دیکھتے ہی ماں کی حالت سدھر گئی ہے اسلئے سب نے استدعا کی کہ وہ ہفتہ بھر کیلئے رُک جائے اور جونہی ماں ذرا ٹھیک ہو جائے تو وہ جا سکتا ہے۔

چند دن ٹھیک رہنے کے بعد ماں کی حالت پھر بگڑ گئی اور اُسے ہسپتال بھرتی کرنا پڑا۔ اب عدنان کے واپس جانے میں مزید تاخیر ہو گئی۔ ہفتہ بھر ہسپتال میں رہنے کے بعد ماں کی طبیعت قدرے سنبھل گئی اسلئے وہ اُسے گھر لے آئے۔

اب عدنان نے ماں سے کالج واپس جانے کیلئے اجازت مانگی جو ماں نے بڑی مشکل سے دیدی کیونکہ اُسے بتایا گیا کہ فائینل امتحان اب چند دن بعد ہے اس لئے کالج واپس جانا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ضروری ہے۔

ہفتہ بھر کی بجائے اب عدنان کوئی پچیس دن بعد کالج پہنچا جو امتحان کی چھٹیوں کیلئے بند تھا لیکن ہوسٹل میں رہنے والے طلباء اپنے اپنے کمروں میں پڑھائی میں مشغول تھے۔ عدنان اپنے کمرے میں سامان وغیرہ رکھنے کے بعد سیدھا حازم کے کمرے کی طرف گیا اور وہاں پہنچ کے حیران و ششدر رہ گیا جب اُسے بتایا گیا کہ حازم اب ہوسٹل چھوڑ کے ڈے سکالر بن گیا ہے۔

کچھ دیر کے لئے عدنان کو یقین نہیں آیا کہ حازم نے اُس سے پوچھے بنا اور بغیر اطلاع دیئے بھلا ہوسٹل کیوں چھوڑ دیا؟ وہ سوچنے لگا کہ بھلا ایسی کیا مجبوری آن پڑی تھی کہ اُس کے آنے تک کا انتظار نہیں کیا۔ اب دوسری پریشانی یہ تھی کہ بھلا سائقہ کو کس کے ہاتھ اور کیسے پیغام بھیجا جائے؟ پھر اُس نے سوچا کہ یہ کام اب خود ہی کرنا پڑے گا۔ وہ واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔

ابھی وہ اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے یہ سوچ ہی رہا تھا کہ عجیب معاملہ ہے کہ ابھی چار دن پہلے حازم سے فون پہ بات ہوئی تھی لیکن اُس نے ہوسٹل چھوڑنے کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ اُس نے سوچا کہ اب وہ ہوسٹل میں بالکل اکیلا ہو جائیگا۔ کس سے بات کرے گا؟ اپنا دُکھ درد کس کے ساتھ بانٹے گا؟ عجیب احمق ہے۔ کچھ دن تو میرا انتظار کیا ہوتا۔

وہ ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ اُس کا بیچ میٹ (batch mate) جتیندر کمرے میں آدھمکا۔ عدنان نے کھڑے ہو کر اُس کا استقبال کیا۔ دونوں گلے ملے اور پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ پھر اچانک جتیندر نے کہا کہ ''عدنان تمہیں مبارک ہو کہ تمہارے یار حازم نے شادی کر لی ہے''۔

کیا کہہ رہے ہو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بھلا حازم مجھ سے مشورہ کئے بنا اور میری شرکت کئے بغیر شادی کر ہی نہیں سکتا۔ جیتی (جیسا کہ جتیندر کو دوست بلاتے تھے) تمہیں کسی نے بے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قوف بنایا ہے۔'' عدنان نے پورے اعتماد سے جیتی کی بات مسترد کر دی۔

''نہیں عدنان جو میں کہہ رہا ہوں بالکل سچ ہے۔ ہم نے باقاعدہ اُس کی شادی میں شرکت بھی کی۔ بہت شاندار کشمیری دعوت تھی۔ پرنسپل صاحب اور دوسرے پروفیسر صاحبان بھی شادی میں شامل تھے۔'' جیتی نے وضاحت دی اور پورا یقین دلایا۔

یہ سب سنتے ہی عدنان پہ سکتہ طاری ہو گیا اور وہ کچھ دیر کیلئے بالکل خاموش ہو گیا اُسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ اُس نے سنا ہے وہ سچ ہے۔ وہ حیران و پریشان ہو کے سوچنے لگا کہ ''ان چند دنوں میں شادی کرنے کی کیا ضرورت آن پڑی تھی حازم کو۔ میرا انتظار کیا ہوتا۔ میں تو خوش ہوتا۔ بڑے ارمان تھے دل میں اُس کی شادی کے جو حازم نے چکنا چور کر دیئے۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ ضرور کوئی مجبوری رہی ہوگی ورنہ حازم ایسا کبھی نہیں کرتا۔ اللہ اُسے سلامت رکھے اور شادی کامیاب ہو۔ ویسے جیتی یہ پتہ چلا کہ اُس کی شادی کہاں ہوئی ہے؟ لڑکی کون ہے؟ اور کیا کرتی ہے؟''

''ہاں یار ہم نے شادی میں معلوم کیا تھا کہ شادی کہاں ہو رہی ہے لڑکی کا نام کیا ہے؟ اور کیا کرتی ہے؟ یار سننے میں آیا ہے کہ لڑکی کا نام سائقہ ہے اور وہ سرینگر کے ویمن کالج میں بارہویں جماعت میں پڑھتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ کسی اور لڑکے سے پیار کرتی تھی مگر وہ اُسے دھوکہ دے کے کہیں چلا گیا ہے اسلئے حازم نے ہاتھ مانگا جو لڑکی نے بخوشی دیدیا۔ ارے چھوڑو بھی یار اب خود مبارکباد دینے جانا اور سب کچھ خود ہی پوچھ لینا'' یہ کہتے ہی جیتی (جتیندر) کمرے سے چلا گیا کیونکہ بقول اُس کے وہ ذرا جلدی میں تھا۔

جتیندر کے جاتے ہی عدنان دھڑام سے اپنے بستر پر گر پڑا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جاوید شبیر موجودہ معاشرے سے نالان نظر آتے ہیں۔ اسی لئے افسانے کو اپنی آواز کا ایک ذریعہ بناتے ہیں۔ اُن کے افسانوں میں اُن کی زندگی کے اَن گنت ذاتی تجربات اور شاہدات کی عکاسی بخوبی ملتی ہے اور یہ عکاسی اُن کے افسانوں کو حقیقی زندگی سے قریب لانے میں مدد کرتی ہے۔ اُن کے افسانے پڑھ کر اس بات کا بخوبی احساس ہوتا ہے کہ اُن کے افسانوی کردار ہماری زندگی کے حالات و واقعات کے ارد گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مقامی مسائل اور حیات و کاینات کی پیچیدگیاں بھی اُن کے افسانوں کا حصہ ہیں لیکن افسانوی دنیا سے باہر بھی وہ بڑی پُرکشش شخصیت کے مالک ہیں اور یہ شخصیت ان کی زندگی کا اثاثہ ہیں جس کی جھلکیاں بھی اُن کے افسانوں میں نظر آتی ہیں اور ہاں وہ محبت کی ادا بھی پہچانتے ہیں اور وفا کی دھڑکنیں بھی اکثر اُن کے دل کو سنائی دیتی ہیں۔ مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ اُن کے افسانوں کا مجموعہ منظر عام پر آرہا ہے۔ اس کی اشاعت سے اُن کی ادبی دنیا اور بھی روشن ہوگی۔

نور شاہ

سرینگر

۲۔ اکتوبر ۲۰۲۱ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ید شبیر موجودہ معاشرے سے نالاں نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ا... اپنی آواز کا
یہ بناتے ہیں۔ اُن کے افسانوں میں اُن کی زندگی کے اَن گنت تجربات اور
کی عکاسی بخوبی ملتی ہے اور یہ عکاسی اُن کے افسانوں کو حقیقی ... قریب لانے
رتی ہے۔ اُن کے افسانے پڑھ کر اس بات کا بخوبی احساس ... کہ اُن کے
کردار ہماری زندگی کے حالات و واقعات کے ارد گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں
سائل اور حیات وکائنات کی پیچیدگیاں بھی اُن کے افسانوں کا حصہ ہیں لیکن افسانوی
باہر بھی وہ بڑی پُرکشش شخصیت کے مالک ہیں اور یہ شخصیت ان کی زندگی کا اثاثہ ہیں
جھلکیاں بھی اُن کے افسانوں میں نظر آتی ہیں اور ہاں وہ محبت کی ادا بھی پہچانتے
وفا کی دھڑکنیں بھی اکثر اُن کے دل کو سنائی دیتی ہیں۔ مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے
کے افسانوں کا مجموعہ منظر عام پر آرہا ہے۔ اس کی اشاعت سے اُن کی ادبی دنیا اور
ن ہوگی۔

سرینگر

۲۔ اکتوبر ۲۰۲۱

نور شاہ

Meezan Publishers

Opp. Fire & Emergency Services HQRS Batamaloo
Srinagar -190009, Kashmir
Ph/Fax: 0194-2457215 |
Cell: 9419002212 | 8494002212 | 7006773403
Email: meezanbooks2020@gmail.com | meezanpublishers@gmail.com